انفاق وصدقات

فضائل وآداب

ڈاکٹر فرحت علی برنیؒ

تحقیق وتخریج

عبدالستار خان

فرمانِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم

مَا مِنْ يَوْمٍ يُصْبِحُ الْعِبَادُ فِيْهِ اِلَّا مَلَكَانِ يَنْزِلَانِ فَيَقُوْلُ اَحَدُهُمَا:

اَللّٰهُمَّ اَعْطِ مُنْفِقًا خَلَفًا ،

وَيَقُوْلُ الآخَرُ:

اَللّٰهُمَّ اَعْطِ مُمْسِكًا تَلَفًا

''کوئی دن نہیں گزرتا مگر یہ کہ اللہ کی طرف سے دوفرشتے اترتے ہیں جن میں سے ایک خرچ کرنے والے بندے کیلئے دعا کرتا ہے، کہتا ہے:

''اے اللہ! تو خرچ کرنے والے کو اچھا عوض دے''

اور دوسرا فرشتہ تنگ دل بخیلوں کے حق میں بددعا کرتا ہے، کہتا ہے:

''اے اللہ! بخل کرنے والے کو تباہی و بربادی دے''۔

(بخاری مع الفتح 3/1442، مسلم 1010)

اقوالِ سلف

حضرت عمر فاروقؓ سے مروی ہے، آپؓ نے فرمایا:

اِنَّ الْاَعْمَالَ تَبَاهَتْ فَقَالَتِ الصَّدَقَةُ :اَنَا اَفْضَلُكُمْ

نیک اعمال نے ایک دوسرے پر فضیلت کا دعویٰ کیا تو صدقہ نے کہا:

''میں تم سب سے بہتر ہوں''۔

(المستطرف، از ابشیہی 1/10)

حضرت یحییٰ بن معاذؒ نے کہا:

مَااَعْرِفُ حَبَّةً تَزِنُ جِبَالَ الدُّنْيَااِلَّا مِنَ الصَّدَقَةِ

''میرے علم میں کوئی دانہ ایسا نہیں جو دنیا کے پہاڑوں کے برابر ہو سوائے صدقہ کے''۔

(المستطرف، از ابشیہی 1/9)

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے فرمایا:

اَلصَّلَاةُ تُبَلِّغُكَ نِصْفَ الطَّرِيْقِ وَالصَّوْمُ يُبَلِّغُكَ بَابَ الْمَلِكِ وَالصَّدَقَةُ تُدْخِلُكَ عَلِيْهِ

''نماز آدھا راستہ طے کراتی ہے، روزہ بادشاہ کے دروازے تک پہنچاتا ہے جبکہ صدقہ بادشاہ کے دربار میں داخل کراتا ہے''۔

(المستطرف، از ابشیہی 1/9)

آئینہ مضامین

آئینہ مضامین

آئینہ مضامین

ضروری نوٹ

(=)

قارئین نوٹ کرلیں کہ حاشیئے کے اختتام پر یہ نشان (=) اس بات کی علامت ہے کہ حاشیئے کا باقی حصہ اگلے صفحے پر جبکہ حاشیئے کے شروع میں اس کی نشان کی موجودگی کا مطلب یہ ہے کہ یہ پچھلے صفحے کا بقیہ ہے۔

کاسہ لیسی

اللھم لک الحمد کما ینبغی لجلال وجھک وعظیم سلطانک

میرے وہم وگمان میں بھی نہیں تھا کہ ڈاکٹر فرحت علی برنیؒ کی پہلی کتاب ''بندگی رب کے تقاضے'' کواتنی پذیرائی ملے گی اوراس کتاب میں میری خوشہ چینی کو بھی سراہا جائے گا۔اس کاسہ لیسی کا سلسلہ جاری رکھتے ہوئے میں نے دوسری کتاب ''تعلق باللہ کی بنیادیں'' نیٹ پر جاری کی۔ دونوں کتابوں کی زبردست مقبولیت کے پیش نظر میں ڈاکٹر صاحبؒ کی تیسری کتاب ''انفاق وصدقات، فضائل وآداب'' قارئین کی خدمت میں پیش کرنے جارہا ہوں جو دراصل ڈاکٹر صاحبؒ کی کیسٹ ''انفاق فی سبیل اللہ'' سے ماخوذ ہے۔

گزشتہ دونوں کتاب میں میں نے چندمہربان ساتھیوں کا ذکر کیا تھا جن کانقش میری زندگی میں ہمیشہ محفوظ رہے گا۔ان مہربان ساتھیوں میں میرے ایک فاضل مربی کا نام سہواً رہ گیا تھا حالانکہ کتاب کا مسودہ پڑھنے والے چند ساتھیوں کے علاوہ برادرم محمد اعظم عارف نے ان کے نام کی طرف نشاندہی بھی کی تھی مگر بوجوہ کتاب کے حتمی مسودے میں ان کا نام شامل ہونے سے رہ گیا تھا۔

میری مراد ڈاکٹر سعید احمد شاد سے ہے۔

جدہ میں دعوت وتربیت کے اس کام کا تخم لگانے والے مہربان ساتھیوں کا دست وبازو بننے والے ہراول دستے میں ڈاکٹر سعید احمد شاد کا نام آتا ہے۔ بعد ازاں تحریک کے کام کا ستون اٹھانے والوں میں ڈاکٹر شاد نے بھی اپنا حصہ ڈالا۔

تخم ڈالنے والے اور بنیاد اٹھانے والے شفیق اور مہربان ساتھی ایک ایک کر کے جدہ سے رخت سفر باندھتے رہے، اب ڈاکٹر سعید احمد شاد، ان کی باقیات الصالحات میں سے ہیں جواب مستقل طور پر کراچی میں قیام پذیر ہوگئے ہیں۔ ڈاکٹر سعید احمد شاد سے فیض حاصل کرنے والوں کوان سابقون اولون کی خوشبو کی مہک محسوس ہوتی ہے جنہوں نے ہم پر احسان کر کے ہمیں اس راہ سے متعارف کرایا۔

ڈاکٹر سعید احمد شاد میرے ساتھ خصوصی شفقت فرماتے ہیں۔ آپ کے زیر سایہ رہ کر میں تحریک کی بہت سی باریکیوں سے آگاہ ہوا۔ آپ حقیقی مربی اور کہنہ مشق دوست اور بھائی ہیں۔ قارئین سے استدعا ہے کہ ان کی درازی عمر اور صحت کیلئے دعا کریں۔

یہ کتاب میں ڈاکٹر سعید احمد شاد کے نام کرتا ہوں۔

ڈاکٹر فرحت علی برنیؒ نے جو سرمایہ ہمارے لئے چھوڑا ہے اسے مرور زمانہ کے ساتھ ضائع ہونے سے بچانے اور آپؒ کے صدقہ جاریہ کو جاری رکھنے کی نیت سے ان کی کیسٹوں کو کتابی شکل میں ڈھالنے کی کوشش جاری ہے۔ یہ اس سلسلے کی تیسری کتاب ہے۔ ایک طرف جہاں ڈاکٹر فرحت علی برنیؒ کے علمی ذخیرہ کو محفوظ کرنے کی سعی ہورہی ہے وہاں دوسری طرف میں ان کی شان عالی سے کاسہ لیسی کرتے ہوئے اپنے لئے بھی صدقہ جاریہ کی کوشش کررہا ہوں اس دعا کے ساتھ کہ اللہ تعالیٰ مجھے بھی اس کا صلہ واجر عطا فرمائے۔

ڈاکٹر فرحت علی برنیؒ کی کیسٹ ''انفاق فی سبیل اللہ'' دراصل 55 منٹ کا درس ہے۔ تقریر کو تحریر میں ڈھالنے کیلئے جو مناسب اور ضروری اقدام تھے وہ ہم نے اس کتاب میں اٹھائے۔ ظاہر ہے کہ تقریر کا اپنا انداز ہے اور تحریر کا اپنا انداز۔ علاوہ ازیں انفاق فی سبیل اللہ خاصہ وسیع مضمون ہے جسے 55 منٹ میں سمیٹنا خاصہ مشکل کام ہے۔ ڈاکٹر صاحبؒ کا کمال ہے کہ آپؒ

نے اس مختصر وقت میں اپنے موضوع کو مکمل انداز میں پیش کیا ہے تاہم اس موضوع کے کئی پہلو ایسے تھے جن پر تقریر کے دوران گفتگو کرنا مناسب بھی نہیں تھا۔ اس کتاب کی تیاری کے وقت میرے پاس دو راستے تھے:

پہلا یہ کہ کیسٹ میں جو مواد تھا اسی پر اکتفا کیا جاتا اور اسی کی تخریج کر کے چند اہم حوالوں کے اضافہ کے ساتھ اسے کتابی شکل دے دی جاتی۔

دوسرا یہ کہ کیسٹ کے مواد کے ساتھ کتاب میں اس مواد کا بھی اضافہ کیا جائے جو کیسٹ میں نہیں مگر موضوع کے لحاظ سے اس کا اضافہ فائدے سے خالی نہیں ہوگا۔

میرے اپنے علم کی حد تک ہمارے مکتبوں میں انفاق فی سبیل اللہ کے موضوع پر جو کتابیں دستیاب ہیں وہ پورے موضوع کا احاطہ نہیں کرتیں بلکہ انفاق جیسے وسیع موضوع کے چند پہلوؤں پر روشنی ڈالتی ہیں۔ علاوہ ازیں انفاق وصدقات کرنے والے عام افراد سے وہ کتابیں مخاطب ہی نہیں ہوتیں۔ احباب کے مشورے کے بعد میں اس نتیجے پر پہنچا کہ اردو مکتبے کو ایک ایسی کتاب کی ضرورت ہے جو انفاق وصدقات کے موضوع پر جامع ہو نیز اس کا مخاطب عام آدمی ہو۔

ہمارے تحریکی ساتھیوں کو اس موضوع پر کافی مواد حاصل ہے نیز وہ انفاق وصدقات کی اہمیت سے بھی واقف ہیں مگر یہی ساتھی جب عوام الناس سے انفاق کی اپیل کرتے ہیں تو ان کے پاس کم ہی ایسا مطبوعہ مواد ہوتا ہے جو عام آدمی کو اپیل کرنے کیلئے استعمال کیا جاسکتا ہو۔

یہی وجہ تھی کہ میں نے دوسرے راستے کو اختیار کیا۔ میں نے اس کتاب کی تیاری اپنے قاری کو ذہن میں رکھ کر کی ہے۔ میرا قاری اور اولین مخاطب ہمارے متاثر، ربط، امیدوار، معاون اور وہ عام آدمی ہے جو ہمارے دروس میں آتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جہاں انہیں انفاق وصدقات کی ترغیب دی

گئی ہے وہیں اس کے آداب اور فضائل بھی بیان کئے گئے ہیں۔

ڈاکٹر فرحت علی برنیؒ نے اپنے درس میں جن آیات کا حوالہ دیا ہے، اس کا عربی متن نقل کیا گیا ہے، جن احادیث کا سہارا لیا ہے ان کے عربی متن کے علاوہ ان کی تخریج بھی کی گئی ہے۔ واقعات کے حوالے سے بھی کوشش کی گئی کہ ان کا ماخذ دیا جائے۔ اس حوالے سے کوشش کی گئی ہے کہ تمام حوالے اصل ماخذ اور امہات الکتب سے دیئے جائیں۔

اس کتاب کی افادیت اور اہمیت کوملحوظ رکھتے ہوئے اس میں چند اضافے کئے گئے ہیں۔

ضمیمہ نمبر 1 میں ان احادیث کو شامل کیا گیا ہے جو انفاق وصدقات کے ضمن میں ترغیب کا باعث ہیں۔

انفاق وصدقات کے ضمن میں صدقہ فطر بڑی اہمیت کا حامل موضوع ہے۔ اس کے فقہی مباحث سے اجتناب کرتے ہوئے اس کا اضافہ ضمیمہ نمبر 2 میں کیا گیا ہے۔

قربانی بھی صدقات وانفاق کے ضمن میں ہے مگر ہمارے مکتبے میں قربانی اور صدقہ فطر کے موضوعات پر کتابیں ناپید ہیں چنانچہ ضمیمہ نمبر 3 میں قربانی کے موضوع کو شامل کیا گیا ہے۔

ان تمام اضافوں کے بعد میرا ذاتی خیال ہے کہ یہ مختصر کتاب انفاق وصدقات کے موضوع پر جامع اور مکمل کتاب شمار ہوگی جس میں قاری کو تشنگی محسوس نہیں ہوگی۔ علاوہ ازیں ہمارے وہ دوست جو فقراء، مساکین، بیوگان اور یتیموں کیلئے سعی اور دوڑ دھوپ کرتے ہیں، یہ کتاب ان کے کام میں معاون اور مددگار ثابت ہوگی۔

ہمارے مدرس حضرات کیلئے بھی یہ کتاب فائدے سے خالی نہیں ہوگی چنانچہ کتاب میں موجود تمام حدیثوں کے حوالے ان کے کام میں ں آسانی پیدا کریں گے وہاں اس بات کا بھی خیال رکھا گیا کہ متن میں حدیث پڑھتے ہی حاشیہ پر جیسے ہی نظر پڑے گی تو قاری کو معلوم ہوجائے گا کہ

یہ حدیث صحیح ہے، حسن ہے یا ضعیف۔ ہم اپنی اس کاوش میں کس حد تک کامیاب ہوئے ہیں اس کا فیصلہ کتاب کا قاری ہی بہتر انداز میں کرسکتا ہے۔

گزشتہ دونوں کتابوں کی طرح اس کتاب میں بھی مجھ پر ان افراد کا شکریہ ادا کرنا واجب ہے جنہوں نے اس کتاب کی تیاری میں میری مدد ورہنمائی کی۔

برادرم اسلم زبیر کا ایک مرتبہ پھر شکریہ جو اس پورے کام کے اولین محرک تھے۔ برادرم عاقل عزیز کو بھی اللہ تعالیٰ اجر عظیم سے نوازے جو اس کتاب کی تیاری میں ہر طرح سے معاون ومددگار تھے۔ برادرم محمد مجیب کا بھی خصوصی شکریہ جنہوں نے اس کتاب کی پروف ریڈنگ کی۔ برادرم وسیم انصاری بھی شکریئے کے مستحق ہیں جنہوں نے ڈاکٹر فرحت علی برنیؒ کی کیسٹوں کی ریکارڈنگ کرکے انہیں ہمارے لئے محفوظ کیا۔ خصوصی طور شکریئے کے مستحق برادرم شہزاد صدیقی ہیں جنہوں نے اس کتاب پر نظر ثانی کی اور اس کی تصحیح کرنے میں میری معاونت کی ہے۔ اللہ تعالیٰ ان سب کو اجر عظیم عطا فرمائے۔ (آمین)

قارئین کو یاد دلانا چاہوں گا کہ ڈاکٹر فرحت علی برنیؒ کی 42 کیسٹیں ادارہ عکس وآواز کے مکتبے میں موجود ہیں جن میں سے 3 کیسٹوں کو کتابی شکل میں ڈھالا گیا ہے، باقی 39 کیسٹیں ابھی بھی کتابی شکل میں ڈھلنے کی منتظر ہیں۔ یہ کام قارئین کے تعاون کے بغیر ممکن نہیں۔ یہ بھی عظیم صدقہ بلکہ صدقہ جاریہ ہے۔

عبدالستار خان

سعودی عرب، جدہ۔ جون 2013

+966 50 361 3075

nazar_70@hotmail.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّآ اَخْرَجْنَا لَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ
وَلَا تَيَمَّمُوا الْخَبِيْثَ مِنْهُ تُنْفِقُوْنَ وَلَسْتُمْ بِاٰخِذِيْهِ اِلَّآ اَنْ تُغْمِضُوْا فِيْهِ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ
اللّٰهَ غَنِيٌّ حَمِيْدٌ ﴿﴾ اَلشَّيْطٰنُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ وَيَاْمُرُكُمْ بِالْفَحْشَآءِ وَاللّٰهُ يَعِدُكُمْ
مَّغْفِرَةً مِّنْهُ وَفَضْلًا وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿﴾ يُّؤْتِي الْحِكْمَةَ مَنْ يَّشَآءُ وَمَنْ يُّؤْتَ
الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا وَمَا يَذَّكَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ ﴿﴾ وَمَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ
نَّفَقَةٍ اَوْ نَذَرْتُمْ مِّنْ نَّذْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُهٗ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ ﴿﴾ اِنْ تُبْدُوا
الصَّدَقٰتِ فَنِعِمَّا هِيَ وَاِنْ تُخْفُوْهَا وَتُؤْتُوْهَا الْفُقَرَآءَ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَيُكَفِّرُ عَنْكُمْ مِّنْ
سَيِّاٰتِكُمْ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴿﴾ لَيْسَ عَلَيْكَ هُدٰىهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ
يَّشَآءُ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ فَلِاَنْفُسِكُمْ وَمَا تُنْفِقُوْنَ اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ اللّٰهِ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ
خَيْرٍ يُّوَفَّ اِلَيْكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ ﴿﴾

سُوْرَةُ الْبَقَرَة ٢٦٧-٢٧٢

ترجمہ معانی کلام اللہ:

’’اے لوگو جو ایمان لائے ہو! جو مال تم نے کمائے ہیں اور جو کچھ ہم نے زمین سے تمہارے لئے نکالا ہے، اس میں سے بہتر حصہ راہ خدا میں خرچ کرو، ایسا نہ ہو کہ اس کی راہ میں دینے کے لئے بری سے بری چیز چھانٹنے کی کوشش کرنے لگو، حالانکہ وہی چیز اگر کوئی تمہیں دے تو تم ہرگز اسے لینا گوارا نہ کرو گے، الا یہ کہ اس کو قبول کرنے میں تم اغماض برت جاؤ، تمہیں جان لینا چاہئے کہ اللہ بے نیاز ہے اور بہترین صفات سے متصف ہے۔ شیطان تمہیں مفلسی سے ڈراتا ہے اور شرمناک طرز عمل اختیار کرنے کی ترغیب دیتا ہے مگر اللہ تمہیں اپنی بخشش اور فضل کی امید دلاتا ہے، اللہ بڑا فراخ دست اور دانا ہے اور جس کو چاہتا ہے حکمت عطا کرتا ہے اور جس کو حکمت ملی اسے حقیقت میں بڑی دولت مل گئی۔ ان باتوں سے صرف وہی لوگ سبق لیتے ہیں جو دانشمند ہیں۔ تم نے جو کچھ بھی خرچ کیا ہو اور جو نذر بھی مانی ہو اللہ کو اسکا علم ہے اور ظالموں کا کوئی مددگار نہیں۔ اگر اپنے صدقات علانیہ دو تو یہ بھی اچھا ہے لیکن چھپا کر حاجتمندوں کو دو تو یہ تمہارے حق میں زیادہ بہتر ہے، تمہاری بہت سی برائیاں اس طرز عمل سے محو ہو جاتی ہیں اور جو تم کرتے ہو اللہ کو بہر حال اس کی خبر ہے۔ (اے نبی ﷺ) لوگوں کو ہدایت بخش دینے کی ذمہ داری تم پر نہیں، ہدایت تو اللہ ہی جسے چاہتا ہے بخشتا ہے اور خیرات میں جو مال تم خرچ کرتے ہو وہ تمہارے اپنے لئے بھلا ہے۔ آخر تم اسی لئے تو خرچ کرتے ہو کہ اللہ کی رضا حاصل ہو تو جو کچھ مال تم خیرات میں خرچ کرو گے، اس کا پورا پورا اجر تمہیں دیا جائے گا اور تمہاری حق تلفی ہرگز نہ ہوگی‘‘۔

(البقرہ 267 تا 272)

گزشتہ صفحات میں سورہ البقرہ کی آیات 267 تا272 پیش کی گئی ہیں۔سب سے پہلے میں چاہوں گا کہ سورہ البقرہ کا اجمالی جائزہ پیش کردیا جائے تا کہ مضمون کی اہمیت کا اندازہ ہوجائے۔سورہ البقرہ کے متعلق یہ بات آپ کو بخوبی معلوم ہے کہ یہ قرآن مجید کی طویل ترین سورت ہے۔ یہ 40 رکوعوں پر مشتمل ہے،اس میں تقریباً سوا دو پارے ہیں۔ نبی اکرم ﷺ نے سورہ البقرہ کو"ذروۃ القرآن" یا "سنام القرآن" یعنی قرآن کی چوٹی فرمایا ہے(1)۔

سورہ البقرہ کے ابتدائی چار رکوع میں اللہ تعالیٰ نے انسانیت کے تین گروہوں کا ذکر کیا ہے، پھر انسانوں کو دعوتِ فکر دی اور اس کے بعد یہ بتایا کہ اے انسان! ہم نے تمہیں کس مرتبے میں پیدا کیا تھا اور شیطان تمہارے پیچھے لگا ہوا ہے۔ پانچویں رکوع سے لیکر 16 ویں رکوع تک جہاں پہلا پارہ ختم ہورہا ہے، بنی اسرائیل کا بڑا تذکرہ ہے کیونکہ یہ وہ امت تھی جو نبی کریم ﷺ کی بعثت سے قبل حامل شریعت تھی۔ سترھویں رکوع سے جہاں سے دوسرا پارہ شروع ہورہا ہے، اس امت کو منصب امامت پر فائز کیا گیا، اب بنی اسرائیل کی جگہ وہ حامل شریعت قرار دی گئی ہے۔ اسی ضمن میں تحویل قبلہ کا حکم بھی ہے، پھر یکے بعد دیگرے شریعت کے متعدد احکامات ہمیں ملتے ہیں۔ اسی سورہ میں صیام، حج،

....

(1) متعدد کتب میں یہ حدیث وارد ہوئی ہے کہ سورہ البقرہ قرآن کا"سنام" یعنی چوٹی ہے۔ علامہ البانی نے السلسلة الضعيفة میں اس روایت کو منکر قرار دیا ہے، دیکھئے: السلسلة الضعيفة 6843،ضعیف الترمذی 2878 میں بھی علامہ البانی نے اسے "ضعیف" قرار دیا ہے البتہ حضرت ابوہریرہؓ سے مروی اسی مفہوم کی ایک دوسری حدیث کو علامہ البانی نے السلسلة الصحيحة میں "اسنادہ حسن" قرار دیا ہے، دیکھئے: السلسلة الصحيحة 588،مزید تفصیل کیلئے دیکھئے: ترمذی 2878،میزان الاعتدال 1/631، مجمع الزوائد 6/314 اور فتح القدیر 1/34۔

طلاق، رضاعت اور دیگر امور کے احکامات بھی شامل ہیں۔

اخیر میں 36، 37 اور 38 ویں رکوع میں اللہ تعالیٰ نے انفاق فی سبیل اللہ یعنی اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنے کی ترغیب دی ہے اور یہ مضمون 38 ویں رکوع کے آخر میں چوٹی کو پہنچ جاتا ہے جہاں وہ لرزا دینے والی آیت ہے جس میں سود کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

﴿ فَإِن لَّمۡ فۡعَلُواْ ﴾

"(اے لوگو! سود سے باز آجاؤ) اور اگر باز نہیں آتے تو"

﴿ فَأۡذَنُواْ بِحَ مِّنَ ٱللَّ وَرَسُولِهِۦ ﴾

"آگاہ ہوجاؤ کہ اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) کی طرف سے تمہارے خلاف اعلان جنگ ہے"(2)

انفاق فی سبیل اللہ کی اہمیت یہ ہے کہ پورے دین کا نظام اس وقت صحیح چل سکتا ہے جب اس کے ماننے والے اور اس کے پیروکار اللہ کی راہ میں اپنا مال خرچ کرنے کیلئے تیار ہوں۔یہی دراصل وہ مضمون ہے جو ہمیں سورہ البقرہ کے ان تین رکوعوں میں ملتا ہے۔ میں کوشش کروں گا کہ جو آیات آپ کے سامنے رکھی گئی ہیں(3) ان کی مختصراً تشریح پیش کروں اور آخر میں انفاق فی سبیل اللہ کے متعلق چند موٹی موٹی باتیں آپ کے سامنے میں عرض کروں گا۔

ارشاد ربانی ہے:

﴿ يَا أَيُّهَا ٱلَّذِينَ ... وا ﴾

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو"

....

(2) البقرہ 279

(3) سورہ االبقرہ کی آیات 267 تا272

غور کیجئے گا کہ یہ خطاب ان لوگوں سے ہے جو ایمان لا چکے ہیں۔

﴿ أَنْفِقُوا مِنْ طَيِّبَاتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّا أَخْرَجْنَا لَكُمْ مِنَ الْأَرْضِ ﴾

''جو مال تم نے کمائے ہیں اور جو کچھ ہم نے زمین سے تمہارے لئے نکالا ہے، اس میں سے بہتر حصہ راہِ خدا میں خرچ کرو''(4)

انفاق فی سبیل اللہ کی پہلی شرط

یہاں انفاق کے سلسلے میں پہلی شرط بتائی جارہی ہے کہ پاک مال خرچ کرو۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

إِنَّ اللَّهَ طَيِّبٌ لَا يَقْبَلُ إِلَّا طَيِّبًا

''اللہ تعالیٰ پاک ہے اور پاک چیزوں کو ہی پسند کرتا ہے''(5)

اللہ تعالیٰ کی راہ میں جو مال خرچ کیا جائے وہ طیب اور حلال ہونا چاہئے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

ثُمَّ ذَكَرَ الرَّجُلَ يُطِيلُ السَّفَرَ أَشْعَثَ أَغْبَرَ يَمُدُّ يَدَيْهِ إِلَى السَّمَاءِ يَا رَبِّ يَا رَبِّ وَمَطْعَمُهُ حَرَامٌ وَمَشْرَبُهُ حَرَامٌ وَمَلْبَسُهُ حَرَامٌ وَغُذِيَ بِالْحَرَامِ فَأَنَّى يُسْتَجَابُ لِذَلِكَ

''ایک شخص ایسا ہے جو دور دراز کا سفر کر کے پہنچا ہے، گرد و غبار سے اٹا ہوا ہے اور وہ

....

(4) زیر بحث آیت، البقرہ 267

(5) حدیث صحیح: امام مسلم کی صحیح میں مروی حدیث کا ایک ٹکڑا، دیکھئے صحیح مسلم، بروایت حضرت ابو ہریرہؓ 1015، نیز دیکھئے: ترمذی 2989، صحیح الجامع 2744۔

اللہ کے سامنے ہاتھ پھیلا کر دعائیں مانگ رہا ہے، یا رب یا رب کہے جا رہا ہے مگر اللہ اس کی دعا کیسے قبول کرے گا کہ اس کا کھانا حرام، اس کا پینا حرام، اس کے کپڑے حرام، اس کا جسم پلا اور بڑھا حرام سے ہے''۔(6)

اسی حرام کے مال کو خرچ کر کے اللہ کے ہاں پہنچتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے دربار میں ہاتھ پھیلا کر ''یارب! یارب!'' کہے جا رہا ہے۔ ایسے شخص کی اب اللہ تعالیٰ دعا قبول کرے تو کیسے کرے؟ تو معلوم ہوا کہ شرط یہ ہے کہ مال پاک ہونا چاہئے۔ آجکل مختلف اخبارات میں سوالات آتے ہیں جن میں لوگ پوچھتے ہیں کہ سود لینا منع ہے، ہم سود اپنے اوپر خرچ نہیں کرتے، ہم سود لے کر اللہ کی راہ میں فقراء اور مساکین پر خرچ کرتے ہیں۔ یہ بالکل غلط ہے۔ اللہ کو ایسا مال قبول نہیں۔ وہ تو صرف پاک چیزیں قبول فرماتا ہے، ناپاک چیزیں اللہ تعالیٰ کے ہاں قبول نہیں ہوتیں۔

زیر نظر آیت کا دوسرا نکتہ ملاحظہ کیجئے:

﴿ وَلَا تَيَمَّمُوا الْخَبِيثَ مِنْهُ تُنْفِقُونَ وَلَسْتُمْ بِآخِذِيهِ إِلَّا أَنْ تُغْمِضُوا فِيهِ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ غَنِيٌّ حَمِيدٌ ﴾

''ایسا نہ ہو کہ اس کی راہ میں دینے کیلئے بری سے بری چیز چھانٹنے کی کوشش کرنے لگو، حالانکہ وہی چیز اگر کوئی تمہیں دے تو تم ہرگز اسے لینا گوارا نہ کرو گے الا یہ کہ اس کو قبول کرنے میں تم اغماض برت جاؤ، تمہیں جان لینا چاہئے کہ اللہ بے نیاز ہے اور بہترین صفات سے متصف ہے''۔

....

(6) حدیث صحیح: دیکھئے صحیح مسلم، بروایت حضرت ابو ہریرہؓ 1015، نیز دیکھئے: ترمذی 2989، صحیح الجامع 2744۔ گزشتہ صفحے پر مذکور حدیث کا آخری ٹکڑا۔

جب انسان کسی مجبوری کے پر پانی استعمال نہیں کرسکتا تو اسے اجازت ہے کہ مٹی پر ہاتھ مار کر طہارت حاصل کرلے، یہ وضو کا متبادل ہے۔ تیمّم قصد کرنے کو بھی کہتے ہیں، گویا اس کا مطلب یہ ہوا کہ جب تم اللہ کے راہ میں خرچ کرنے لگو تو کوئی ناکارہ مال خرچ کرنے کا قصد بھی نہ کرنا، کیسا ناکارہ مال؟:

﴿ وَلَسْتُم بِآخِذِيهِ

''وہی چیز اگر کوئی تمہیں دے تو تم ہرگز اسے لینا گوارا نہ کرو گے''

﴿ إِلَّا أَن تُغْمِضُواْ فِيهِ ﴾

''الا یہ کہ اس کو قبول کرنے میں تم اغماض برت جاؤ''

تو حکم یہ دیا جارہا ہے کہ اللہ کی راہ میں جو بھی دو تو وہ پاک ہو۔ دوسرا یہ کہ وہ مال ناکارہ نہ ہو۔ بدقسمتی سے ہمارے معاشرے میں یہ عادت سی بن گئی ہے کہ اللہ کی راہ میں جب خرچ کرنے کی باری آتی ہے تو ہمیشہ ہم ان چیزوں کی طرف دیکھتے ہیں جن کی ہمیں ضرورت نہیں۔ کھانا اگر بچ گیا ہے اور ہماری ضرورت سے زیادہ ہے تو ہم اسے اس خوف سے کہ کہیں خراب نہ ہوجائے، اسے اللہ کی راہ میں دے دیتے ہیں، کپڑے ہیں، پہن پہن کر طبیعت عاجز ہوگئی ہے، اب میرا دل بھر گیا ہے، ان کپڑوں کا کیا کروں، یہ تو پھٹنے کا نام ہی نہیں لیتے، ان کو اللہ کی راہ میں کسی غریب کو دیا جائے۔ خوب استعمال کیا اور مال بچ گیا تو اب دل میں خیال آیا کہ اسے اللہ کی راہ میں دے دیا جائے۔

اس کے برعکس، ہم سے جو چیز مطلوب ہے وہ یہ ہے کہ اللہ کے راہ میں وہ چیز خرچ کی جائے جو ہمیں سب سے زیادہ محبوب اور بہت عزیز ہو۔ ارشاد ربانی ہے:

﴿ لَن تَنَالُواْ الْبِرَّ حَتَّى تُنفِقُواْ مِمَّا تُحِبُّونَ ﴾

''تم نیکی کو نہیں پہنچ سکتے جب تک کہ اپنی وہ چیزیں (خدا کی راہ میں) خرچ نہ کرو جنہیں تم عزیز رکھتے ہو'' (7)

صحابہ کرامؓ کا ایثار

اس آیت کے متعلق یہ بات معروف ہے کہ جب یہ نازل ہوئی تھی تو نبی اکرم ﷺ کے اصحاب کرامؓ کا کیا ردعمل تھا؟ اس آیت کے حوالے سے حضرت ابوطلحہ انصاریؓ (8) کا واقعہ سب سے مشہور ہے۔

مسجد نبوی ﷺ کے سامنے حضرت ابوطلحہ انصاریؓ کا وہ مشہور باغ تھا جس میں کھجور کے 600 درخت بتائے جاتے ہیں۔ یہ باغ آپؓ کو بہت محبوب تھا، جب یہ آیت نازل ہوئی تو آپؓ نے نبی اکرم ﷺ سے عرض کیا:

''اے اللہ کے رسول ﷺ، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

﴿ لَن تَنَالُواْ الْبِرَّ حَتَّى تُنفِقُواْ مِمَّا تُحِبُّونَ ﴾

اور مجھے اپنے مال میں سے یہ باغ جس میں ''بیرحاء'' (حاء نامی کنواں) ہے سب سے

....

(7) آل عمران 92

(8) حضرت ابوطلحہ انصاریؓ جلیل القدر صحابی، آپؓ بدری ہیں۔ آپؓ کا اصلی نام زیدؓ بن سہیل تھا، قبیلہ نجار سے آپؓ کا تعلق ہے۔ بیعت عقبہ میں آپؓ 12 نقیبوں میں سے ایک تھے۔ جب روم کے خلاف مسلمانوں نے بحری مہم روانہ کی تو آپؓ اس میں شامل تھے۔ آپؓ کی پیرانہ سالی کو دیکھ کر آپؓ کے بیٹوں نے منع کرتے ہوئے کہا: آپؓ نے رسول ﷺ، ابوبکرؓ اور عمرؓ کے زمانے میں جہاد کیا ہے، اب ہم آپ کی جگہ جہاد کریں گے مگر آپؓ نے انکار کردیا اور سورہ التوبہ کی آیت 41 پڑھ کر انہیں سنائی۔ بعض علماء کے نزدیک اسی مہم کے دوران بحری جہاز میں ہی آپؓ کی وفات ہوگئی جبکہ زیادہ مشہور یہ ہے کہ آپؓ کی وفات مدینہ طیبہ میں 34ھ میں ہوئی۔ آپؓ کی نماز جنازہ حضرت عثمان بن عفانؓ نے پڑھائی۔ آپؓ سے 20 حدیثیں مروی ہیں جن میں ایک حدیث بخاری میں اور ایک مسلم نے نقل کی ہیں۔ مزید دیکھئے: سیر اعلام النبلاء، از امام ذہبیؒ، 1/27۔

زیادہ محبوب ہے''۔

غور کیجئے گا؟ جو سب سے زیادہ محبوب ہے۔

''وہ باغ میں اللہ کی راہ میں دیتا ہوں، آپ ﷺ جس طرح مناسب سمجھیں اس میں تصرف کریں''۔

اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

خَ خٍ ، ذٰلِکَ مَالٌ وَا حٌ

''واہ واہ! یہ تو بڑا نفع بخش سودا ہے''

وَاَنَا اَرٰی اَنْ تَجْعَلَھَا فِی الْاَقْرَبِیْن

''میرا خیال ہے کہ آپ اسے اپنے رشتہ داروں میں تقسیم کردیں''۔(9)

یہی آیت سن کر حضرت عمر بن خطابؓ نے اپنی ایرانی کنیز جو آپؓ کو بہت محبوب تھی، وہ اللہ کی رضا کی خاطر آزاد کردی، حضرت زید بن ثابتؓ نے "سبل" نامی گھوڑا جو آپؓ کو بڑا محبوب تھا وہ اللہ کی راہ میں دیدیا۔ جب پتہ چلا کہ اللہ تعالیٰ درحقیقت محبوب چیز کو قبول کرتا ہے تو جو چیز جتنی زیادہ محبوب تھی وہی اللہ تعالیٰ کی راہ میں دے دی(10)۔

تو جو بات مطلوب ہے وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں ناکارہ مال خرچ نہ کیا جائے بلکہ محبوب ترین مال ہی خرچ کرنا چاہئے۔ اس کی وجہ کیا ہے؟:

﴿ وَاعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ حَمِيْدٌ ﴾

(9) حدیث صحیح : بروایت حضرت انس بن مالکؓ، دیکھئے: مشکلۃ الفقر، ص 121۔

(10) یہ تمام واقعات مذکورہ آیت کی تفسیر میں مختلف کتب تفسیر میں دیکھے جاسکتے ہیں، دیکھئے: الجامع لاحکام القرآن، از امام قرطبیؒ، تفسیر القرآن، از علامہ ابن کثیرؒ وغیرہ۔

''تمہیں جان لینا چاہئے کہ اللہ بے نیاز ہے اور بہترین صفات سے متصف ہے''

اللہ تعالیٰ کو تمہارے مال کی پرواہ نہیں، مال کیا چیز ہے، اللہ تعالیٰ کو تو تمہاری حمد اور تسبیح کی بھی پرواہ بھی نہیں۔ تم اللہ تعالیٰ کی تعریف کرو یا نہ کرو، اللہ تعالیٰ خود اپنی ذات میں محمود ہے، تم اللہ تعالیٰ کو مال دیتے ہو تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ اللہ کو نعوذ باللہ تمہارے مال کی ضرورت ہے، اللہ تو خود غنی ہے۔

شیطان کے حربے

آگے فرمایا:

﴿ الشَّيْطٰنُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ ﴾
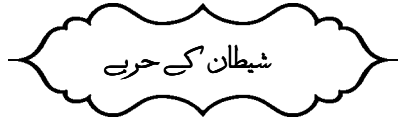
''شیطان تمہیں مفلسی سے ڈراتا ہے''

﴿ وَيَاْمُرُكُمْ بِالْفَحْشَآءِ ﴾

''اور شرمناک طرزِ عمل اختیار کرنے کی ترغیب دیتا ہے''

اَمَرَ کے معنی حکم کرنے کے بھی ہیں اور مشورہ کے بھی ہیں تو شیطان تم کو فقر و فاقہ سے ڈراتا ہے اور فحش کاموں کا مشورہ دیتا ہے مگر اس کے برعکس اللہ تعالیٰ تم سے مغفرت اور فضل کا وعدہ فرماتا ہے:

﴿ وَاللّٰهُ يَعِدُكُمْ مَّغْفِرَةً مِّنْهُ وَفَضْلًا ، وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴾

''مگر اللہ تمہیں اپنی بخشش اور فضل کی امید دلاتا ہے، اللہ بڑا فراخ دست اور دانا ہے''۔

غور کیجئے گا کہ یہ بہت ہی اہم بات ہے۔ یہ ایسا اصول ہے جو قرآن مجید میں جگہ جگہ تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔ جب کوئی شخص اللہ تعالیٰ کی راہ میں مال دینے کی نیت کرتا

ہے تو شیطان آن کر اسے بہکانے کی کوشش کرتا ہے۔وہ کہتا ہے کہ:

’’تم اللہ کی راہ میں مال خرچ نہ کرو،اگر تم اللہ کی راہ میں مال خرچ کردو گے تو کہیں تم پر غربت نہ آجائے،اس مال پر تو تمہارے بیوی اور بچوں کا حق ہے،آج تو تمہارا ہاتھ کھلا ہے،کل کو کہیں تمہارا ہاتھ تنگ نہ ہوجائے تو پھر کیا کرو گے‘‘۔

شیطان نے تو اسی کام کی قسم کھا رکھی ہے،ارشاد الٰہی ہے:

﴿قَالَ فَبِعِزَّتِكَ لَأُغْوِيَنَّهُمْ أَجْمَعِينَ﴾

’’تیری عزت کی قسم، میں ان سب لوگوں کو بہکا کر رہوں گا‘‘(11)

شیطان رجیم اس کام کے لئے مختلف حربے بھی استعمال کرتا ہے:

﴿قَالَ فَبِمَا أَغْوَيْتَنِي لَأَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِيمَ ثُمَّ لَآتِيَنَّهُم مِّن بَيْنِ أَيْدِيهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ وَعَنْ أَيْمَانِهِمْ وَعَن شَمَائِلِهِمْ﴾

’’اس نے کہا: جس طرح تو نے مجھے گمراہی میں مبتلا کیا ہے، میں بھی اب تیری سیدھی راہ پر ان انسانوں کی گھات میں لگا رہوں گا، آگے اور پیچھے، دائیں اور بائیں، ہر طرف سے ان کو گھیروں گا‘‘(12)

شیطان انسان کے دل میں اسی طرح کے وسوسے ڈالتا ہے،اسے فقر ومحرومی اور مفلسی سے ڈرانے کی کوشش کرتا ہے۔اب اگر کوئی شخص شیطان کے بہکاوے میں آکر نہ صرف اللہ تعالیٰ کی راہ میں انفاق کرنے سے رک جاتا ہے بلکہ زکاۃ جیسے فرض سے بھی ہاتھ کھینچ لیتا ہے تو اس سے بڑی بدبختی اور کیا ہوسکتی ہے۔بعض بدبخت ایسے بھی ہیں جو شیطان کے

(11)ص82

(12)الاعراف16،17

بہکاوے میں آکر زکاۃ دینے سے اپنا ہاتھ روک لیتے ہیں،قرآن مجید میں ایسے ہی لوگوں کیلئے بڑی سخت وعید آئی ہے:

﴿وَالَّذِينَ يَكْنِزُونَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنفِقُونَهَا فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَبَشِّرْهُم بِعَذَابٍ أَلِيمٍ﴾

’’دردناک سزا کی خوشخبری دو ان کو جو سونے اور چاندی کو جمع کر کے رکھتے ہیں اور انہیں خدا کی راہ میں خرچ نہیں کرتے‘‘(13)

﴿يَوْمَ يُحْمَىٰ عَلَيْهَا فِي نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوَىٰ بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوبُهُمْ وَظُهُورُهُمْ هَٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِأَنفُسِكُمْ فَذُوقُوا مَا كُنتُمْ تَكْنِزُونَ﴾

’’ایک دن آئے گا کہ اسی سونے چاندی پر جہنم کی آگ دہکائی جائے گی اور پھر اسی سے ان لوگوں کی پیشانیوں اور پہلوؤں اور پیٹھوں کو داغا جائے گا، یہ ہے وہ خزانہ جو تم نے اپنے لئے جمع کیا تھا،لو اب اپنی سمیٹی ہوئی دولت کا مزہ چکھو‘‘۔(13)

زکاۃ روکنے والوں کیلئے یہ دہلانے والی آیت ہے۔یہ دن وہ ہوگا جس میں انہیں عذاب الیم دیا جائے گا،اسی خزانے کو جسے وہ جمع کر کے رکھتے تھے اور اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے تھے، اسے تپا کر ان کی پیشانیوں کو،ان کی پیٹھوں کو اور ان کی پشتوں کو داغا جائے گا اور ان سے کہا جائے گا کہ یہی ہے وہ مال جسے تم بچا کر رکھتے تھے۔

اس حوالے سے نبی کریم ﷺ کی ایک لرزا دینے والی حدیث بھی ہے،آپ ﷺ کا ارشاد مبارک ہے:

(13)التوبہ34،35

مَنْ آتَاهُ اللّٰهُ مَالًا فَلَمْ يُؤَدِّ زَكَاتَهُ مُثِّلَ لَهُ مَالُهُ شُجَاعًا أَقْرَعَ لَهُ زَبِيبَتَانِ، يُطَوَّقُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ثُمَّ يَأْخُذُ بِلِهْزِمَتَيْهِ يَعْنِي بِشِدْقَيْهِ ثُمَّ يَقُولُ: اَنَا مَالُکَ ، اَنَا كَنْزُکَ ، ثُمَّ تَلَا : لَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَبْخَلُونَ بِمَآ آتَاهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ هُوَ خَيْرًا لَّهُمْ بَلْ هُوَ شَرٌّ لَّهُمْ سَيُطَوَّقُونَ مَا بَخِلُوا بِهٖ يَوْمَ الْقِيَامَةِ

''جس شخص کو اللہ تعالٰی نے مال دیا اور پھر اس نے اس کی زکاۃ نہیں ادا کی تو اس کا یہ مال قیامت کے دن نہایت زہریلے سانپ کی شکل اختیار کرے گا جس کے سر پر دو سیاہ نقطے ہوں گے (14) اور وہ اس کے گلے کا طوق بن جائے گا، پھر اس کے دونوں جبڑوں کو یہ سانپ پکڑے گا اور کہے گا:

''میں تیرا مال ہوں، میں تیرا خزانہ ہوں''

پھر آپ ﷺ نے یہ آیت (15) تلاوت فرمائی:

''جن لوگوں کو اللہ نے اپنے فضل سے نوازا ہے اور پھر وہ بخل سے کام لیتے ہیں، وہ اس خیال میں نہ رہیں کہ یہ بخیلی ان کیلئے اچھی ہے، نہیں، یہ ان کے حق میں نہایت بری ہے، جو کچھ وہ اپنی کنجوسی سے جمع کر رہے ہیں وہی قیامت کے روز ان کے گلے کا طوق بن جائے گا''۔(16)

اس کا ایک پہلو یہ ہے کہ آدمی اللہ کی راہ میں وہ مال خرچ نہیں کرتا جس کا اسے حکم دیا گیا ہے۔ دوسرا پہلو یہ ہے کہ وہ زکاۃ تو ادا کرتا ہے مگر زکاۃ کے بعد صدقات اور خیرات

....

(14) یہ انتہائی زہریلا ہونے کی علامت ہے۔

(15) آل عمران 180

(16) حدیث صحیح : بروایت حضرت ابو ہریرہؓ، بخاری 4565، نسائی 2481۔

کرنے میں اس کی طبیعت مائل نہیں ہوتی، اس بخیلی کو قرآن مجید ایک طرح کا نفاق قرار دیتا ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

﴿ اَلْمُنَافِقُونَ وَالْمُنَافِقَاتُ بَعْضُهُمْ مِّنْ بَعْضٍ ، يَأْمُرُونَ بِالْمُنْكَرِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمَعْرُوفِ وَيَقْبِضُونَ أَيْدِيَهُمْ نَسُوا اللّٰهَ فَنَسِيَهُمْ ﴾

''منافق مرد اور منافق عورتیں سب ایک دوسرے کے ہم رنگ ہیں، برائی کا حکم دیتے ہیں اور بھلائی سے منع کرتے ہیں اور اپنے ہاتھ خیر سے روکے رکھتے ہیں، یہ اللہ کو بھول گئے تو اللہ نے بھی انہیں بھلا دیا''۔(17)

جو لوگ فرض کے علاوہ اپنا مال خرچ کرنے سے ہاتھ روک لیتے ہیں وہ درحقیقت اللہ تعالٰی کو بھولے ہوئے ہیں۔ شیطان کا پہلا حربہ تو یہ ہے کہ وہ انسان سے کہتا ہے کہ اللہ تعالٰی کی راہ میں مال خرچ نہ کرو، کہیں تم کنگلے نہ ہو جاؤ، کہیں تم دوسروں کے آگے ہاتھ نہ پھیلاؤ، کل کو جب تمہاری ضروریات آئیں گی تو تم انہیں کیسے پورا کرو گے؟ اور اگر بالفرض کسی کے پاس اتنا مال ہے اور وہ شیطان کے وسوسے میں نہ آئے اور کہے کہ میرے پاس بہت مال ہے، مجھے تو فکر نہیں کہ میرا مال کم ہو جائے گا تو اب شیطان دوسرا حربہ استعمال کرتا ہے۔ وہ دوسرا حربہ کیا ہے؟:

﴿ وَيَأْمُرُكُمْ بِالْفَحْشَآءِ ﴾

''اور شرمناک طرزِ عمل اختیار کرنے کی ترغیب دیتا ہے''

وہ کہتا ہے: اچھا ٹھیک ہے، اگر تم اپنا مال خرچ کرنا ہی چاہتے تو اس مال سے زندگی کا

....

(17) التوبہ 67

لطف اٹھاؤ، اپنے اوپر یہ کیا پابندیاں عائد کر کے بیٹھے ہو، یہ حلال ہے اور وہ حرام، یہاں خرچ کرنا ہے، وہاں خرچ نہیں کرنا۔ یہ زندگی تو لطف اٹھانے کیلئے ہے، اللہ تعالیٰ نے تمہیں مال دیا ہے تو اس کا لطف اٹھاؤ۔

گویا وہ اسے ترغیب دیتا ہے کہ حلال وحرام کی تمیز کئے بغیر دنیا کا لطف اٹھاؤ اور اپنا مال خرچ کرو۔ بعض اوقات شیطان ایسے کاموں میں بھی مال خرچ کرواتا ہے جو اللہ کی راہ سے روکنے کا باعث بنتے ہیں۔ چنانچہ قرآن مجید میں اسی حوالے سے ایک مقام پر ارشاد ہوا:

﴿إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا يُنفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ لِيَصُدُّوا عَن سَبِيلِ اللَّهِ فَسَيُنفِقُونَهَا ثُمَّ تَكُونُ عَلَيْهِمْ حَسْرَةً ثُمَّ يُغْلَبُونَ وَالَّذِينَ كَفَرُوا إِلَىٰ جَهَنَّمَ يُحْشَرُونَ﴾

''جن لوگوں نے حق ماننے سے انکار کیا ہے وہ اپنے مال خدا کے راستے سے روکنے پر خرچ کر رہے ہیں اور ابھی اور خرچ کرتے رہیں گے مگر آخر کار یہی کوششیں ان کے لئے پچھتاوے کا سبب بنیں گی پھر وہ مغلوب ہوں گے پھر یہ کافر جہنم کی طرف گھیر لائے جائیں گے''۔(18)

یہ شیطان کا دوسرا حربہ ہے کہ اگر تم اپنا مال خرچ کرنا ہی چاہتے ہو تو اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کے بجائے غلط طریقوں پر خرچ کرو۔

انفاق: افزونیٔ مال کا سبب

تیسرا انداز ان لوگوں کا ہے جو شیطان کے وسوسے میں نہیں آتے اور سمجھتے ہیں کہ ہمیں اپنا مال اللہ کی راہ میں خرچ کرنا چاہئے۔ ان کیلئے فرمایا کہ یہ وہ لوگ ہیں جن کیلئے اللہ تعالیٰ نے وعدہ کیا ہے:

....

(18) الانفال 36

﴿وَاللَّهُ يَعِدُكُم مَّغْفِرَةً مِّنْهُ وَفَضْلًا ۗ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ﴾

''اللہ تمہیں اپنی بخشش اور فضل کی امید دلاتا ہے، اللہ بڑا فراخ دست اور دانا ہے''

اللہ تعالیٰ تم سے یہ وعدہ کر رہا ہے کہ اگر تم اس کی راہ میں مال خرچ کرو گے تو تمہیں اللہ کی طرف سے مغفرت بھی ملے گی اور اس کا مزید فضل بھی ملے گا۔ ذرا غور کیجئے گا اس بات پر، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ اگر تم اپنا مال میری راہ میں خرچ کرو تو تمہارا مال کم نہیں ہوگا(19) بلکہ اس میں مزید اضافہ ہوگا، ارشاد ربانی ہے:

﴿قُلْ إِنَّ رَبِّي يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَن يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ وَيَقْدِرُ لَهُ ۚ وَمَا أَنفَقْتُم مِّن شَيْءٍ فَهُوَ يُخْلِفُهُ ۖ وَهُوَ خَيْرُ الرَّازِقِينَ﴾

''اے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم)! ان سے کہو: میرا رب اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے کھلا رزق دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے نپا تلا دیتا ہے، جو کچھ تم خرچ کر دیتے ہو اس کی جگہ وہی تم کو اور دیتا ہے، وہ سب رازقوں سے بہتر رازق ہے''۔(20)

ایسا نہیں کہ اللہ تعالیٰ تمہیں تنگدست چھوڑ دے گا، اگر تم اللہ کی راہ میں مال خرچ کرو گے تو وہ تمہیں اور دے گا، کیوں؟ کیونکہ تم اللہ تعالیٰ پر توکل کا مظاہرہ کر رہے ہو گے

....

(19) اس حوالے سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

مَانَقَصَتْ صَدَقَةٌ مِنْ مَالٍ

''صدقہ دینے سے مال کم نہیں ہوتا'' (صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی حدیث کا حصہ، دیکھئے: صحیح مسلم 2588، نیز الفاظ کے فرق کے ساتھ اس سے ملتی جلتی طویل حدیث ترمذی 2325 اور مسند احمد 4/231 میں بھی وارد ہے)

صدقہ دینے سے مال کم نہیں ہوتا، اس کی 2 صورتیں بتائی جاتی ہیں۔ پہلی یہ کہ صدقہ دینے سے مال میں برکت ہوتی ہے نیز بلائیں ٹل جاتی ہیں۔ اس طرح صدقہ دینے سے مال میں ہونے والی کمی پوری ہو جاتی ہے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ مال بظاہر کم ہوتا ہے مگر صدقہ دینے پر اللہ تعالیٰ کے ہاں جو اجر وثواب لکھا جاتا ہے، وہ مال کی کمی سے کہیں زیادہ اہم ہے (دیکھئے: نضرة النعيم، ص 2527)

(20) سباء 39

اور اللہ تعالیٰ کی سنت ہے کہ:

﴿ وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ ﴾

''جو اللہ پر بھروسہ کرے اس کیلئے وہی کافی ہے''

﴿ اِنَّ اللّٰهَ بَالِغُ اَمْرِهٖ قَدْ جَعَلَ اللّٰهُ لِكُلِّ شَيْءٍ قَدْرًا ﴾

''اللہ اپنا کام پورا کرکے رہتا ہے، اللہ نے ہر چیز کیلئے ایک تقدیر مقرر کر رکھی ہے''۔ (21)

جو لوگ اللہ تعالیٰ کی راہ میں مال خرچ کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان کے گناہوں سے صرف نظر کرتا ہے، ان کے گناہوں پر پردہ ڈالتا ہے اور اللہ کی رحمت ان پر چھائی رہتی ہے نیز ان کے مال کو بھی فراوانی عطا فرماتا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ:

﴿ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴾

''اللہ بڑا فراخ دست اور دانا ہے''

وہ ہر چیز کا جاننے والا ہے نیز اس کے خزانے میں کمی نہیں ہوتی؟ ارشادِ الٰہی ہے:

﴿ مَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْۢبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِيْ كُلِّ سُنْۢبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ ﴾

''جو لوگ اپنے مال اللہ کی راہ میں صرف کرتے ہیں ان کے خرچ کی مثال ایسی ہے جیسے ایک دانہ بویا جائے اور اس سے سات بالیں نکلیں اور ہر بال میں سو دانے ہوں''۔

غور کیجئے گا! ایک دانہ بویا ہے تو سات سو اس کا بدلہ مل گیا، یہ سات سو تو صرف اندازہ لگانے کیلئے بتائے گئے ہیں، اللہ تو جتنا چاہے اس کو بڑھا سکتا ہے (22)۔

....

(21) الطلاق 3

(22) اس حوالے سے رسول اکرم ﷺ کی متعدد احادیث وارد ہیں۔ ترغیب کا پہلو مدنظر رکھتے ہوئے ان میں سے چند کا =

﴿ وَاللّٰهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴾

''اسی طرح اللہ جس کے عمل کو چاہتا ہے، افزونی عطا فرماتا ہے، وہ فراخ دست بھی ہے اور علیم بھی''۔ (23)

دراصل جو بات سمجھائی جا رہی ہے وہ یہ ہے کہ: اے لوگو! اپنے مال کو روک روک کر نہ رکھو بلکہ اسے اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرو، اگر تم ایسا کرو گے تو اللہ تعالیٰ تمہیں بڑھا کر دے گا (24)۔

....

= ذکر درج ذیل ہے:

لَايَتَصَدَّقُ اَحَدٌ بِتَمْرَةٍ مِنْ كَسْبٍ طَيِّبٍ ، اِلَّا اَخَذَهَا اللّٰهُ بِيَمِيْنِهٖ ، فَيُرَبِّيْهَا كَمَا يُرَبِّيْ اَحَدُكُمْ فَلُوَّهٗ اَوْ قَلُوْصَهٗ حَتّٰى تَكُوْنَ مِثْلَ الْجَبَلِ اَوْ اَعْظَمَ

''کوئی شخص اپنے طیب مال میں سے کھجور کا ایک دانہ بھی صدقہ کرے تو اللہ تعالیٰ کھجور کے اس دانے کو اپنے دائیں ہاتھ سے وصول کرتا ہے، پھر اسے پالتا ہے جس طرح تم میں سے کوئی شخص اپنی اونٹنی کا بچہ پالتا ہے اور اس کی دیکھ بھال کرتا ہے یہاں تک کہ صدقہ کیا ہوا کھجور کا وہ دانہ پہاڑ کے برابر یا اس سے بھی بڑا بن جاتا ہے'' (صحیح بخاری و مسلم میں حضرت ابوہریرہؓ سے مروی صحیح حدیث۔ دیکھئے: بخاری مع الفتح 3/1410، مسلم 1014، واضح رہے کہ حدیث کے مفہوم کا رواں ترجمہ کیا گیا ہے)

ایک اور حدیث میں رسول اکرم ﷺ کا فرمان ہے:

مَنْ اَنْفَقَ نَفَقَةً فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كُتِبَتْ لَهٗ بِسَبْعِمَائَةِ ضِعْفٍ

''اللہ تعالیٰ کی راہ میں جس نے انفاق کیا تو اس کیلئے سات سو گنا (اجر) لکھا جائے گا'' (صحیح مسلم بروایت حضرت خریم بن فاتکؓ، دیکھئے: مسلم 1631)

ایک مرتبہ رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں ایک آدمی نے اونٹنی پیش کی جس کی ناک میں نکیل ڈالی ہوئی تھی (نکیل اس بات کی علامت ہے کہ اونٹنی سواری یا جہاد کے لئے تیار ہے) اور کہا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ! یہ اونٹنی میں اللہ تعالیٰ کی راہ میں صدقہ کرتا ہوں۔ رسول اکرم ﷺ نے اس کا صدقہ قبول کرتے ہوئے فرمایا:

لَكَ بِهَا يَوْمَ الْقِيَامَةِ سَبْعُمَائَةِ نَاقَةٍ ، كُلُّهَا مَخْطُوْمَةٌ

''اس کے بدلے میں قیامت کے دن تمہیں سات سو اونٹنیاں دی جائیں گی، سب کی ناک میں نکیل ڈالی ہوئی ہوگی'' (صحیح مسلم میں حضرت ابومسعود انصاریؓ سے مروی صحیح حدیث، دیکھئے: مسلم 1892)

(23) البقرہ 261

(24) حضرت اسماءؓ بنت ابوبکرؓ سے مروی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

اَنْفِقِيْ وَلَا تُحْصِيْ فَيُحْصِيَ اللّٰهُ عَلَيْكِ

''اے اسماءؓ! اللہ تعالیٰ کی راہ میں مال خرچ کر اور گن گن کر نہ دے ورنہ اللہ تعالیٰ بھی تجھے گن گن کر دے گا'' (بخاری مع =

آگے فرمایا:(25)

﴿يُؤْتِي الْحِكْمَةَ مَنْ يَشَاءُ ۚ وَمَنْ يُؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوتِيَ خَيْرًا كَثِيرًا ۗ وَمَا يَذَّكَّرُ إِلَّا أُولُو الْأَلْبَابِ﴾

''وہ جس کو چاہتا ہے حکمت عطا کرتا ہے اور جس کو حکمت ملی اسے حقیقت میں بڑی دولت مل گئی، ان باتوں سے صرف وہی لوگ سبق لیتے ہیں جو دانشمند ہیں''۔

یہ حکمت کیا ہے؟ حکمت کے دو معانی ہیں:

ایک یہ کہ نبی اکرم ﷺ کی سنت، آپ ﷺ کی احادیث مبارکہ۔

دوسرا عام مفہوم ہے جسے ہم اردو میں ہوشمندی بھی کہہ سکتے ہیں۔

نبی اکرم ﷺ کی ایک حدیث کے الفاظ ہیں:

رَأْسُ الْحِكْمَةِ مَخَافَةُ اللّٰهِ (26)

''ہوشمندی کی چوٹی یہ ہے کہ انسان اللہ کا خوف اختیار کرے''

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ(27) لکھتے ہیں:

....

= الفتح 5/2590، مسلم 1029۔ واضح رہے کہ حدیث پاک کے مفہوم کا رواں ترجمہ کیا گیا ہے)

ایک اور حدیث میں آپ ﷺ نے فرمایا:

اِنَّ اللّٰهَ قَالَ لِیْ: اَنْفِقْ اُنْفِقْ عَلَيْكَ

''اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تو میرے بندوں پر خرچ کر، میں تجھے دیتا رہوں گا'' (بخاری مع الفتح 13/7419، مسلم 993۔ واضح رہے کہ حدیث پاک کے مفہوم کا رواں ترجمہ کیا گیا ہے)

(25) آیت 269

(26) حدیث ضعیف: بروایت حضرت عبداللہ بن مسعودؓ شعب الایمان، از امام بیہقی 1/409، نیز دیکھئے: ضعیف الجامع 3066

(27) مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ 25 دسمبر 1903ء کو اورنگ آباد (دکن) میں پیدا ہوئے۔ آپؒ نے 25 اگست 1941ء کو لاہور میں 75 افراد پر مشتمل ایک اجلاس منعقد کیا اور جماعت اسلامی کی تشکیل کی۔ آپؒ نے ''تفہیم القرآن'' کے علاوہ سیکڑوں کتابیں تصنیف کیں۔ آپؒ کو 1979ء میں شاہ فیصل ایوارڈ دیا گیا۔

''حکمت سے مراد صحیح بصیرت اور صحیح قوت فیصلہ ہے۔ یہاں اس ارشاد سے مقصود یہ بتانا ہے کہ جس شخص کے پاس حکمت کی دولت ہوگی، وہ ہرگز شیطان کی بتائی ہوئی راہ پر نہ جائے گا بلکہ اس راہِ کشادہ کو اختیار کرے گا جو اللہ نے دکھائی ہے۔ شیطان کے تنگ نظر مریدوں کی نگاہ میں یہ بڑی ہوشیاری اور عقل مندی ہے کہ آدمی اپنی دولت کو سنبھال سنبھال کر رکھے اور ہر وقت مزید کمائی کی فکر ہی میں لگا رہے لیکن جن لوگوں نے اللہ سے بصیرت کا نور پایا ہے، ان کی نظر میں یہ عین بے وقوفی ہے۔ حکمت و دانائی ان کے نزدیک یہ ہے کہ آدمی جو کچھ کمائے، اسے اپنی متوسط ضروریات پوری کرنے کے بعد دل کھول کر بھلائی کے کاموں میں خرچ کرے۔ پہلا شخص ممکن ہے کہ دنیا کی اس چندروزہ زندگی میں دوسرے کی نسبت بہت زیادہ خوشحال ہو لیکن انسان کیلئے یہ دنیا کی زندگی پوری زندگی نہیں بلکہ اصل زندگی کا ایک نہایت چھوٹا سا جز ہے۔ اس چھوٹے سے جز کی خوشحالی کیلئے جو شخص بڑی اور بے پایاں زندگی کی بدحالی مول لیتا ہے، وہ حقیقت میں سخت بے وقوف ہے۔ عقل مند دراصل وہی ہے جس نے اس مختصر زندگی کی مہلت سے فائدہ اٹھا کر تھوڑے سرمایہ ہی سے اس ہمیشگی کی زندگی میں اپنی خوشحالی کا بندوبست کرلیا''۔(28)

درحقیقت جس حکمت کی طرف قرآن مجید میں اشارہ ہوا ہے اسے میں ''ویلیو سسٹم'' یا اقدار کہتا ہوں، اس پر آگے چل کر روشنی ڈالی جائے گی۔

آگے فرمایا(29):

﴿وَمَا أَنْفَقْتُمْ مِنْ نَفَقَةٍ أَوْ نَذَرْتُمْ مِنْ نَذْرٍ فَإِنَّ اللَّهَ يَعْلَمُهُ﴾

....

(28) تفہیم القرآن، سورہ البقرہ، حاشیہ 309۔

(29) آیت 270

لِلظَّلِمِيْنَ ... أَنْصَارٍ ﴾

''تم نے جو کچھ بھی خرچ کیا ہو اور جو نذر بھی مانی ہو، اللہ کو اس کا علم ہے اور ظالموں کا کوئی مددگار نہیں''

پہلے یہ جان لیجئے کہ نذر کیا چیز ہے؟ نذر کی تعریف یہ کی گئی ہے کہ کوئی بھی ایسا کام جو آپ کے اوپر فرض یا واجب نہیں مگر آپ نے خود اس کو اپنے اوپر فرض اور واجب کر دیا بشرط یہ کہ وہ کام شرعاً حلال ہو، مثال کے طور پر آپ نے کہا کہ اگر اللہ تعالیٰ میرا فلاں کام کر دے تو میں دو نفل پڑھوں گا یا ایک روزہ رکھوں گا یا عمرہ کروں گا یا پھر اتنا مال صدقہ دوں گا۔ یہ آپ پر فرض نہیں تھا مگر آپ نے اپنے اوپر لازم کر لیا۔ اب اس کا ادا کرنا آپ کے ذمہ ہے کیونکہ یہ عہد ہے جو آپ نے اللہ تعالیٰ سے کیا ہے۔ نذر کے سلسلے میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ عام طور پر نذر مانی ہی نہیں چاہئے۔ آپ اللہ سے مانگئے، بغیر نذر مانے مانگ لیجئے، اللہ تعالیٰ آپ کو عطا فرمائے گا مگر جب آپ نے اپنے اوپر یہ چیز واجب کر ہی لی تو اس کا ادا کرنا آپ کے ذمے ہے(30)۔

ایک تو یہ فرمایا گیا:

﴿وَمَآ أَنْفَقْتُمْ مِّنْ نَّفَقَةٍ أَوْ نَذَرْتُم مِّنْ نَّذْرٍ ﴾

''تم نے جو کچھ بھی خرچ کیا ہو اور جو نذر بھی مانی ہو (تو اسے پورا کر لو)''

دوسری بات یہ فرمائی کہ:

....

(30) نذر یہ ہے کہ آدمی اپنی کسی مراد کے برآنے پر کسی ایسے خرچ یا کسی ایسی خدمت کو اپنے اوپر لازم کر لے جو اس کے ذمے فرض نہ ہو، اگر یہ مراد کسی حلال و جائز امر کی ہو اور اللہ سے مانگی گئی ہو اور اس کے برآنے پر جو عمل کرنے کا عہد آدمی نے کیا ہے، وہ اللہ ہی کیلئے ہو تو ایسی نذر اللہ کی اطاعت میں ہے اور اس کا پورا کرنا اجر و ثواب کا موجب ہے، اگر یہ صورت نہ ہو تو ایسی نذر کا ماننا معصیت اور اس کا پورا کرنا موجب عذاب ہے۔ دیکھئے: تفہیم القرآن 1/208

﴿ فَإِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُهُ ﴾

''اللہ کو اس کا علم ہے''

جو مال تم خرچ کرو گے، اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کی قدر ہے۔ اصل بات تعدادِ مال نہیں بلکہ دل کی نیت ہے۔ یہ نہیں دیکھا جاتا کہ تم کتنا خرچ کر رہے ہو بلکہ یہ دیکھا جاتا ہے کہ تم کس خلوص کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کر رہے ہو۔ سورہ التوبہ میں منافقین کی طرف نشاندہی کی گئی ہے جو نہ صرف اللہ کی راہ میں اپنا مال خرچ نہیں کرتے تھے بلکہ اگر کوئی دوسرا اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرتا تو اس کو بھی روکنے کی کوشش کرتے تھے۔ اگر وہ بے چارہ غریب ہوتا اور اس کے پاس زیادہ مال نہ ہوتا اور وہ کوئی معمولی سی چیز اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرتا تو اس کا مذاق اڑایا کرتے تھے اور اسے طعنہ دیتے تھے۔ ارشادِ الٰہی ہے:

﴿ الَّذِيْنَ ... الْمُطَّوِّعِيْنَ ... الْمُؤْمِنِيْنَ ... الصَّدَقٰتِ وَالَّذِيْنَ ... جُهْدَهُمْ ... مِنْهُمْ ... مِنْهُمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيْمٌ ﴾

''جو برضا و رغبت دینے والے اہل ایمان کی مالی قربانیوں پر باتیں چھانٹتے ہیں اور ان لوگوں کا مذاق اڑاتے ہیں جن کے پاس (راہِ خدا میں دینے کیلئے) اس کے سوا کچھ نہیں جو وہ اپنے اوپر مشقت برداشت کر کے دیتے ہیں، اللہ ان مذاق اڑانے والوں کا مذاق اڑاتا ہے اور ان کے لئے دردناک سزا ہے''۔(31)

مراد یہ ہے کہ یہ نہیں دیکھا جاتا کہ کتنا خرچ کرتے ہو بلکہ یہ دیکھا جاتا ہے کہ کس نیت کے ساتھ لیکر آئے ہو؟

....

(31) التوبہ 79

غزوہ تبوک کے موقع پر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے رومیوں کے خلاف جنگ کا اعلان فرمایا اور ساتھ ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صدقہ وخیرات کرنے کی فضیلت بیان کی اور اللہ کی راہ میں اپنا نفیس مال خرچ کرنے کی رغبت دلائی تو مسلمانوں نے صدقہ وخیرات کرنے میں بھی ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوشش کی۔ حضرت عثمان بن عفانؓ نے ملک شام کیلئے ایک قافلہ تیار کیا تھا جسے پالان اور کجاوے سمیت صدقہ کر دیا، اس کے بعد ایک ہزار دینار (32) لے آئے اور انہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی آغوش میں بکھیر دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انہیں الٹتے جاتے اور فرماتے جاتے:

مَا ضَرَّ عُثْمَانَ مَا عَمِلَ بَعْدَ الْيَوْمِ

''آج کے بعد عثمان جو بھی کریں، انہیں ضرر نہ ہوگا'' (33)

اس کے بعد حضرت عثمانؓ نے پھر صدقہ کیا یہاں تک کہ ان کے صدقے کی مقدار نقدی کے علاوہ 9 سو اونٹ اور ایک سو گھوڑے تک جا پہنچی (34)۔

حضرت عبد الرحمٰن بن عوفؓ نے دو سو اوقیہ (35) چاندی لے آئے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ اپنے گھر کا سارا مال لے آئے اور بال بچوں کیلئے اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کچھ

....

(32) تقریباً ساڑھے پانچ کلو سونے کے سکے۔

(33) حدیث حسن غریب: بروایت حضرت عبدالرحمٰن بن سمرہؓ، سنن ترمذی 3701، تخریج احادیث المصابیح 5/283، تخریج مشکوۃ المصابیح، از علامہ البانی 5/283۔

(34) الرحیق المختوم، از مولانا صفی الرحمٰن مبارکپوری، ص 583۔

(35) تقریباً ساڑھے 29 کلو۔

نہ چھوڑا۔ آپؓ کے صدقے کی مقدار 4 ہزار درہم تھی۔ اس غزوے کیلئے سب سے پہلے آپؓ ہی نے صدقہ کیا۔ حضرت عمرؓ نے اپنا آدھا مال خیرات کیا۔ حضرت عباسؓ بہت سا مال لے آئے۔ حضرت طلحہؓ، حضرت سعد بن عبادہؓ اور حضرت محمد بن مسلمہؓ بھی کافی مال لے کر آئے۔ اسی طرح حضرت عاصم بن عدیؓ 90 وسق (36) کھجور لے کر حاضر خدمت ہوئے۔ بقیہ صحابہ کرامؓ بھی پے در پے اپنے صدقات لے آئے یہاں تک کہ صحابہ کرامؓ میں سے کسی نے ایک یا دو مد صدقہ کیا کہ وہ اس سے زیادہ کی طاقت نہیں رکھتے تھے۔ خواتین نے بھی اس مہم میں دل کھول کر حصہ لیا۔ انہوں نے اپنے ہار، بازو بند، پازیب، بالی اور انگوٹھی وغیرہ جو کچھ ہوسکا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر کیا (37)۔

غزوہ تبوک کے موقعے پر اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنے جہاں حضرت عثمان بن عفانؓ، حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ، حضرت ابوبکر صدیقؓ، حضرت عمر بن خطابؓ اور دیگر صحابہ کرامؓ نے مثالیں قائم کیں وہاں حضرت ابوعقیل (38) جیسے نادار صحابہؓ بھی تھے جن کے پاس اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنے کو کچھ بھی نہیں تھا۔ انہیں جب معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں مال خرچ کرنے کا مطالبہ ہو رہا ہے تو وہ یہ کہہ کر خاموش نہیں بیٹھے رہے کہ میرے پاس تو کچھ بھی نہیں۔ حضرت ابوعقیلؓ نے ایک یہودی کے باغ میں رات بھر کام کیا۔ یہودی نے صبح کے وقت اجرت کے طور پر انہیں کھجوروں کے دو سیر دے دیئے۔ ایک سیر بچوں کے لئے رکھا اور ایک سیر لے کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا:

....

(36) ساڑھے 13 ٹن۔

(37) بحوالہ الرحیق المختوم، از صفی الرحمٰن مبارکپوری، ص 584۔

(38) حضرت حبحاب ابو عقیل انصاریؓ، سورہ التوبہ کی آیت 79 آپؓ کے حوالے سے نازل ہوئی تھی۔ (**اسد الغابة فی معرفة الصحابة**، از علامہ ابن اثیر۔

''اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! میرے پاس یہ ہے''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کھجوروں کو مال کے ڈھیر پر پھیلا دیا(39)۔

قبولیت اسی مال کو ہوگی جس میں خلوص ہو(40)۔ اگر نیت میں دکھاوا ہے تو مال قبول نہیں ہوگا اور جب عبادات اور صدقات میں دکھاوا آ جائے تو معاملہ بڑا شدید ہو جاتا ہے، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

مَنْ صَلّٰی یُرَائِیْ فَقَدْ اَشْرَکَ وَمَنْ صَامَ یُرَائِیْ فَقَدْ اَشْرَکَ وَمَنْ تَصَدَّقَ یُرَائِیْ فَقَدْ اَشْرَکَ

''جو دکھانے کیلئے نماز پڑھے اس نے شرک کیا، جو دکھانے کیلئے روزہ رکھے اس نے شرک کیا اور جو دکھانے کیلئے صدقہ کرے اس نے شرک کیا''۔(41)

....

(39)حدیث صحیح : بروایت حضرت ابو مسعود عقبہ بن عمروؓ، دیکھئے: صحیح بخاری 4668، نیز علامہ زیلعیؒ نے تخریج الکشاف میں بھی اسے نقل کیا ہے 2/87، مزید دیکھئے: مجمع الزوائد، از علامہ ہیثمی 7/35، البتہ اس واقعے کے حوالے سے یہ بات زد عام ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو عقیلؓ کی کھجوروں کو وصول کرتے ہوئے فرمایا "هذا رأس المال" یعنی یہ مال کا مغز ہے تو یہ بات معروف سیر، تفاسیر اور احادیث کی کتابوں میں نہیں ہے۔

(40)رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

سَبَقَ دِرْهَمٌ مَائَةَ اَلْفَ

''ایک درہم، ایک لاکھ درہم پر سبقت لے گیا''

لوگوں نے پوچھا ''اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ! وہ کیسے؟''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

رَجُلٌ لَهُ دِرْهَمَانِ فَاَخَذَ اَحَدُهُمَا فَتَصَدَّقَ بِهٖ وَرَجُلٌ لَهُ مَالٌ كَثِيْرٌ فَاَخَذَ مِنْ عُرْضِ مَالِهٖ مَائَةَ اَلْفٍ فَتَصَدَّقَ بِهَا

''ایک آدمی کے پاس صرف 2 درہم تھے، اس نے ایک درہم صدقہ کیا جبکہ دوسرا آدمی مالدار ہے، اس کے پاس کثیر سرمایہ ہے، اس نے اپنے مال میں سے ایک لاکھ درہم کا صدقہ کیا''(حدیث صحیح : بروایت حضرت ابو ہریرہؓ، دیکھئے: صحیح الترغیب 875، صحیح الجامع 3606)ایک درہم خلوص نیت اور شدید حاجت کے باوجود صدقہ کرنے کی پر ایک لاکھ درہم پر اللہ کے ہاں زیادہ اجر کا مستحق ٹھہرا۔

(41)علمائے حدیث نے اس حدیث پر کلام کیا ہے۔ علامہ ابن عدیؒ نے کہا ہے کہ اس کے رواۃ میں شہر بن حوشب ہے جو قابل حجت نہیں، دیکھئے: الکامل فی الضعفاء، از علامہ ابن عدیؒ 5/63، علامہ ابن قیسرانی نے ذخیرۃ الحفاظ میں لکھا ہے اس میں =

کیوں؟ کیونکہ وہ دکھانے کیلئے کر رہا ہے، بندوں میں اپنا نام پیدا کرنے کیلئے کر رہا ہے، تو اسے جس سے امید ہے جا کر اس سے لے، اللہ سے کیا مانگتا ہے۔ وہ اللہ کے ساتھ دوسروں کو شریک کر رہا ہے۔ معلوم ہوا کہ تمام کاموں میں اخلاصِ نیت درکار ہے۔

آیت کا اختتام اس بات پر ہوتا ہے کہ:

﴿ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ ﴾

''اور ظالموں کا کوئی مددگار نہیں''

یعنی جو لوگ اس بات کا خیال نہ کریں اور اپنی جانوں پر ظلم کریں ان کا کوئی مددگار نہیں۔

آگے فرمایا(42):

﴿ إِن تُبْدُوا الصَّدَقَاتِ فَنِعِمَّا هِيَ وَإِن تُخْفُوهَا وَتُؤْتُوهَا الْفُقَرَاءَ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَيُكَفِّرُ عَنكُم مِّن سَيِّئَاتِكُمْ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ ﴾

''اگر اپنے صدقات علانیہ دو تو یہ بھی اچھا ہے لیکن اگر چھپا کر حاجت مندوں کو دو تو یہ تمہارے حق میں زیادہ بہتر ہے، تمہاری بہت سی برائیاں اس طرزِ عمل سے محو ہو جاتی ہیں اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ کو بہر حال اس کی خبر ہے''۔

درحقیقت مال خرچ کرنے میں جس چیز کی ترغیب زیادہ دلائی جا رہی ہے وہ یہ ہے کہ

....

= عیسیٰ بن عبداللہ ہے جس کی متابعت نہیں کی جاتی، دیکھئے: ذخیرۃ الحفاظ 4/2329، علامہ منذریؒ کا کہنا ہے کہ اس کے طریق میں عبدالمجید بن بہرام عن شہر بن حوشب ہے، دیکھئے: ترغیب وترہیب 1/51 جبکہ علامہ البانیؒ نے تخریج مشکوٰۃ المصابیح میں اسے ضعیف کہا ہے، دیکھئے: تخریج مشکوٰۃ المصابیح 5260۔

(42) آیت 271

تم اپنا مال چھپا کر خرچ کرو مگر قرآن مجید کا فرمان ہے کہ تم مال علانیہ دو یا چھپا کر، دونوں صورتوں میں اللہ کو تمہارا مال قبول ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

﴿ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ بِاللَّيْلِ وَالنَّهَارِ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴾

''جو لوگ اپنے مال شب و روز کھلے اور چھپے خرچ کرتے ہیں ان کا اجر ان کے رب کے پاس ہے اور ان کیلئے کسی خوف و رنج کا مقام نہیں''۔(43)

یہ مؤمنین کی صفات بیان کی گئی ہیں کہ وہ اپنا مال ظاہر بھی خرچ کرتے ہیں، چھپا کر بھی، ہاتھ کشادہ ہوتا ہے تب بھی خرچ کرتے ہیں اور تنگ ہوتا ہے تب بھی۔ فرمایا گیا:

﴿ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ فِي السَّرَّآءِ وَالضَّرَّآءِ ﴾

''جو ہر حال میں اپنے مال خرچ کرتے ہیں خواہ بدحال ہوں یا خوش حال''۔(44)

قبولیت تو دونوں حالتوں میں ہے مگر فرمایا جا رہا ہے کہ اگر تم اپنا مال خفیہ دو گے تو وہ تمہارے لئے زیادہ بہتر ہے اور اس سے تمہاری برائیاں دور ہوتی ہیں۔

اس میں درحقیقت حکمت کا پہلو ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ ہدایت ملتی ہے کہ جب تم مال دو تو اس انداز سے دو کہ تمہارے دائیں ہاتھ کو اس بات کی خبر نہ ہو کہ بائیں ہاتھ نے کیا دیا ہے(45)۔

....

(43) البقرہ 274

(44) آل عمران 134

(45) رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی معروف حدیث کا مفہوم جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان 7 قسم کے لوگوں کا ذکر کیا جو اللہ کے عرش کے سائے میں ہوں گے، ان میں سے ایک شخص وہ ہے جو:

ورجل تصدق بصدقة فاخفاها حتى لاتعلم شماله ما تنفق يمينه =

چنانچہ ہمارے دین میں یہ اصول ہے کہ فرائض کو علانیہ ادا کیا جائے۔ نماز پڑھو تو پنج وقتہ مسجد میں جا کر پڑھو تا کہ دنیا دیکھے کہ تم نے نماز پڑھی ہے، رمضان کا روزہ رکھو تو سر عام روزہ رکھو، زکاۃ دو تو بتا کر دو اور اگر اسلامی ریاست قائم ہے تو وہ تم سے اس کا حساب لینے کا بھی حق رکھتی ہے تو جہاں تک فرائض کا تعلق ہے تو اسے کھلے عام ادا کیا جائے تا کہ دوسروں کو ترغیب ہو کہ تم اللہ کا فریضہ ادا کر رہے ہو مگر جہاں نوافل کی بات آتی ہے، وہاں احسن یہ ہے کہ انسان چھپا کر کرے۔ اس میں حکمت یہ ہے کہ نوافل میں نفس اور شیطان، انسان کے پیچھے لگا ہوا ہے، اگر انسان اس کے تمام حربوں سے بچ گیا تو شیطان اپنا آخری حربہ استعمال کرتے ہوئے انسان سے کہتا ہے کہ:

''اچھا! تم مال خرچ کرنے سے باز نہیں آؤ گے، ٹھیک ہے ایسا ہی کرو مگر ان صدقات کو چھپا کر کیوں دیتے ہو، کھلے عام دو تا کہ دنیا کو معلوم ہو اور لوگ تمہارے بارے میں کہیں کہ تم بڑے سخی داتا ہو''۔

یہ وہ خیالات ہیں جو شیطان، انسان کے دل میں ڈالتا ہے اور خدا نہ کرے کہ انسان، شیطان کے قابو میں آ جائے اور واقعی سمجھنے لگے کہ میں کتنا بڑا سخی ہو گیا ہوں، میں تو اتنا مال خرچ کرتا ہوں تو پھر تو وہ بالکل ہی مارا گیا۔ اس طرح وہ شرک کی حد تک پہنچ جائے گا۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اِنَّ اَخْوَفَ مَا اَخَافُ عَلَيْكُمْ الشِّرْكَ الْاَصْغَرُ قَالُوْا وَمَا الشِّرْكُ

....

= ''اور وہ آدمی جس نے اس طرح صدقہ کیا کہ اس کا بایاں ہاتھ بھی نہیں جانتا کہ دایاں ہاتھ کیا دے رہا ہے'' دیکھئے: بخاری 660 اور 1423، نیز صحیح مسلم میں ہے ''اس کے دائیں ہاتھ کو خبر نہیں ہوئی کہ اس کا بایاں ہاتھ کیا دے رہا ہے'' دیکھئے مسلم 1031 مزید دیکھئے: صحیح الجامع، از علامہ البانی 3603، صحیح ابن خزیمہؒ 358۔

الْاَصْغَرُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلیَ اللہ علیہ وسلم ، قَالَ الرِّیَآ

''تمہارے متعلق مجھے سب سے زیادہ جس چیز کا خوف ہے وہ شرک اصغر ہے''

لوگوں نے پوچھا کہ شرک اصغر کیا ہے؟

آپ صلیَ اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''دکھاوا'' (46)

اس لئے نوافل کو جتنا پوشیدہ کیا جائے اتنا ہی اچھا ہے ، خاص طور پر صدقات کو پوشیدہ رکھا جائے تو اس سے تزکیہ نفس ہوتا ہے اور برائیاں بھی مٹتی جاتی ہیں ۔سورہ التوبہ میں نبی اکرم صلیَ اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا گیا:

﴿ خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ بِهَا ﴾

''(اے نبی صلیَ اللہ علیہ وسلم) ان کے اموال میں سے صدقہ لے کر انہیں پاک کرو اور (نیکی کی راہ میں) انہیں بڑھاؤ'' (47)

ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

أَلَمْ يَعْلَمُوٓا أَنَّ اللّٰهَ هُوَ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ وَيَأْخُذُ الصَّدَقَاتِ

''کیا ان لوگوں کو معلوم نہیں کہ وہ اللہ ہی ہے جو اپنے بندوں کی توبہ قبول کرتا ہے اور ان کی خیرات کو قبولیت عطا فرماتا ہے'' (48)

خفیہ طور پر خرچ کیا جانے والا مال توبہ کی قبولیت کا باعث ہے، برائیوں کو مٹانے میں ، مغفرت اور رحمت کے حصول میں بڑا ممد و معاون ہے (49)۔

....

(46) اسناده جيد: بروایت حضرت محمود بن لبید انصاریؓ، الترغیب والترہیب 1/52 ، مجمع الزوائد 10/225

(47) التوبہ 103

(48) التوبہ 104

(49) علمائے کرام کے درمیان اس حوالے سے دلچسپ بحث ہے کہ خفیہ صدقہ زیادہ بہتر ہے یا علانیہ۔اس بحث کی بنیاد سورہ =

....

= البقرہ کی آیت 271 ہے جس کا ترجمہ ہے ''اگر اپنے صدقات علانیہ دو تو یہ بھی اچھا ہے لیکن اگر چھپا کر حاجت مندوں کو دو تو یہ تمہارے حق میں زیادہ بہتر ہے، تمہاری بہت سی برائیاں اس طرز عمل سے محو ہو جاتی ہیں اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ کو بہر حال اس کی خبر ہے''۔ علامہ قرطبیؒ نے ''الجامع لاحکام القرآن'' میں لکھا ہے ''جمہور مفسرین کی رائے ہے کہ آیت مذکورہ میں نفلی صدقات کا ذکر ہے جس میں خفیہ صدقہ ، علانیہ سے بہتر ہے۔اسی طرح تمام نفلی عبادات کو چھپانا بہتر ہے کیونکہ اس سے ریا کا امکان خارج ہو جاتا ہے''۔ مزید لکھتے ہیں ''فرض زکاۃ کا اعلان کیا جائے اور نفل صدقات کو چھپایا جائے، یہ زیادہ بہتر ہے'' (دیکھئے: الجامع الاحکام القرآن، از علامہ قرطبیؒ، 3/332) علامہ سیوطیؒ نے حضرت ابن عباسؓ کے حوالے سے لکھا ہے ''اللہ تعالیٰ نے خفیہ کئے جانے والے نفلی صدقے کا اجر، علانیہ کئے جانے والے نفلی صدقے کے اجر سے 70 گنا زیادہ رکھا ہے اور فرض زکاۃ کے اعلان کا اجر، خفیہ دیئے جانے والے صدقے کے اجر سے 25 گنا زیادہ ہے'' (دیکھئے: الدر المنثور فی التفسیر بالمأثور ، از علامہ سیوطیؒ، 2/77) علامہ ابن عربیؒ نے لکھا ہے ''اس میں کوئی شک نہیں کہ فرض زکاۃ کا اظہار شریعت کے دیگر تمام فرائض کے اظہار کی طرح افضل و بہتر ہے، اس کا فائدہ یہ ہے کہ آدمی اس کے اظہار سے اپنا دین بچاتا ہے اور اپنے مال کو محفوظ بنالیتا ہے'' آگے نفل صدقات پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں ''نفل صدقات کی افضلیت کا تعلق دینے والے، لینے والے اور لینے دینے کی کارروائی کے گواہوں سے ہے۔ لینے والے کے حوالے سے یہ ہے کہ اس کیلئے نفل صدقے کا اظہار افضل ہے کہ اس سے سنت کے اظہار کا ثواب اور صدقہ دینے کی قدرت کا اعلان ہے جبکہ اس کا منفی پہلو ریا، احسان جتانا اور دکھ دینے میں پوشیدہ ہے۔ لینے والے کے حوالے سے یہ ہے کہ اس کیلئے نفل صدقہ کا اخفا، اظہار سے بہتر ہے کہ اظہار سے لوگوں کے سامنے اس کا وقار مجروح ہوتا ہے۔ لینے اور دینے کی کارروائی کے گواہوں کے حوالے سے یہ ہے کہ ان کیلئے نفل صدقہ کو خفیہ رکھنا افضل ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ ممکنہ طور پر وہ دینے والے کو ریا سے مطعون کریں یا لینے والے کے استحقاق کو مجروح کریں حالانکہ گواہوں کیلئے نفل صدقات کے اظہار میں ترغیب کا پہلو بھی ہے مگر اس زمانے میں نفل صدقات کے اظہار سے کم لوگوں کو ترغیب ملتی ہے''۔ (دیکھئے: احکام القرآن، از علامہ ابن عربی، 1/315)

اس میں کوئی شک نہیں کہ انسان نفسیاتی طور پر تعریف و ستائش پسند ہے، وہ بھلائی کا صلہ چاہتا ہے۔یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید میں انفاق کی آیات نفس انسانی کے اس پہلو کو مہذب کرتی ہیں نیز اسے دنیا میں ملنے والے صلے سے بلند و برتر کرتی ہیں۔غور کیا جائے کہ قرآن مجید میں انفاق کی اکثر آیات میں خفیہ صدقہ کا ذکر علانیہ سے پہلے آیا ہے۔ارشاد ربانی ہے ''(اے نبی صلیَ اللہ علیہ وسلم) میرے جو بندے ایمان لائے ہیں ان سے کہہ دو کہ نماز قائم کریں اور جو کچھ ہم نے ان کو دیا ہے، اس میں سے چھپے اور کھلے (راہِ خیر میں) خرچ کریں''۔ (ابراہیم 31) ایک اور مقام پر ارشاد ہوا ''جو لوگ اپنے مال شب و روز چھپے اور کھلے خرچ کرتے ہیں ان کا اجر ان کے رب کے پاس ہے'' (البقرہ 274)

سلف صالحین کی سیرت کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ خفیہ صدقہ کا کس قدر اہتمام کرتے تھے۔امام زین العابدین علیؒ بن الحسینؓ بن علیؓ کو کون نہیں جانتا۔آپؒ کے والد نواسہ رسول صلیَ اللہ علیہ وسلم سیدنا حضرت حسین بن علیؓ تھے، دادا سیدنا علیؓ بن ابی طالب تھے اور دادی سیدہ فاطمہ الزہراءؓ تھیں۔ان سے بڑھ کر کون عالی شان ہوگا۔ان کے بارے میں امام زہریؒ نے فرمایا کہ میں نے قریش میں زین العابدینؒ سے زیادہ افضل اور بہتر کوئی شخص نہیں دیکھا۔وہ عالم باعمل تھے۔فقراء سے محبت کرتے تھے، راتوں کو بہت زیادہ صدقہ اور خیرات کرتے تھے۔فرماتے کہ خفیہ صدقہ وخیرات رب کا غصہ ٹھنڈا کرتا ہے، قلب کو اور قبر کو منور کرتا ہے اور قیامت کے دن کی تاریکی کو دور کرتا ہے۔اللہ تعالیٰ اس کے عوض بندے کو دہرا اجر و ثواب عنایت کرتا ہے۔وہ راتوں کو اپنے کندھے پر آٹا اور کھانے پینے کا سامان لادتے اور فقراء میں تقسیم کرتے۔مدینہ طیبہ کے سو گھروں کی کفالت اپنے ذمہ لے رکھی تھی۔جب ان کی =

آ گے فرمایا گیا(50):

﴿لَيْسَ عَلَيْكَ هُدَاهُمْ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ يَهْدِي ... وَمَا تُنفِقُوا مِنْ خَيْرٍ فَلِأَنفُسِكُمْ ۚ وَمَا تُنفِقُونَ إِلَّا ابْتِغَاءَ ... اللَّهِ ۚ وَمَا تُنفِقُوا مِنْ خَيْرٍ يُوَفَّ إِلَيْكُمْ وَأَنتُمْ لَا تُظْلَمُونَ﴾

''لوگوں کو ہدایت بخش دینے کی ذمہ داری تم پر نہیں، ہدایت تو اللہ ہی جسے چاہتا ہے بخشتا ہے اور خیرات میں جو مال تم خرچ کرتے ہو وہ تمہارے اپنے لئے بھلا ہے، آخر تم اسی لئے تو خرچ کرتے ہو کہ اللہ کی رضا حاصل ہو، تو جو کچھ مال تم خیرات میں خرچ کروگے، اس کا پورا پورا اجر تمہیں دیا جائے گا اور تمہاری حق تلفی ہرگز نہ ہوگی''۔

یہ آیت اپنے اندر انتہائی اہم معانی رکھتی ہے، وہ یہ کہ ہدایت دینے کا کام صرف اللہ تعالیٰ کا ہے۔ وہ مقلب القلوب ہے(51) ۔انسانوں کا بشمول انبیاء اور مرسلین علیہم السلام کام صرف یہ ہے کہ وہ انسانوں کو اللہ کا پیغام پہنچا دیں۔ارشاد ربانی ہے:

....

= وفات ہوئی تو غسل دینے والوں نے ان کے کندھوں اور کمر پر نشانات دیکھے جو بوجھ اٹھانے کی وجہ سے تھے۔آپؒ صرف اللہ کی رضا کی خاطر رات کی تاریکی میں یہ کام کرتے تھے۔ان کی وفات کے بعد اہل مدینہ کو معلوم ہوا کہ وہ کون تھا جو رات کی تاریکی میں ان کی امداد کرتا تھا۔(سیدنا امام زین العابدینؒ کے بارے میں مزید تفصیل کیلئے دیکھئے: سیر اعلام النبلاء ، از امام ذہبیؒ، 5/332 نیز صفة الصفوة از علامہ ابن جوزیؒ 2/96) واضح رہے کہ امام زین العابدینؒ کے مذکورہ بالا الفاظ ''خفیہ صدقہ وخیرات رب کا غصہ ٹھنڈا کرتا ہے'' درحقیقت حدیث مبارک کے الفاظ ہیں جنہیں امام طبرانی نے المعجم الاوسط /2891 میں نقل کیا ہے تاہم علمائے حدیث کا اس کی صحت اور ضعف میں اختلاف ہے۔حافظ ابن حجرؒ نے تلخیص الحبیر فی تخریج احادیث الرافعی الکبیر میں اس کی سند کو ضعیف قرار دیا ہے، دیکھئے: مذکورہ کتاب 3/247 جبکہ علامہ البانیؒ نے صحیح الجامع الصغیر وزیادتہ میں اسے صحیح قرار دیا ہے۔ دیکھئے: مذکورہ کتاب 2/702۔

(50) آیت 272

(51) یعنی دلوں کو پھیرنے والا۔اللہ کے رسول ﷺ کی دعا تھی ''اے دلوں کو پھیرنے والے، میرا دل دین پر جما دے'' اس بارے میں آپ ﷺ سے پوچھا گیا تو فرمایا: بندوں کے دل اللہ تعالیٰ کی دو انگلیوں کے درمیان ہیں، وہ جس طرح چاہتا ہے انہیں پھیر دیتا ہے''۔ دیکھئے: ترمذی 3522، تخریج مشکوٰة المصابیح 98، علامہ البانیؒ نے اسے '' حسن علیٰ شرط مسلم '' کہا ہے۔

﴿فَإِنْ أَعْرَضُوا فَمَا أَرْسَلْنَاكَ عَلَيْهِمْ ... ۖ إِنْ عَلَيْكَ إِلَّا الْبَلَاغُ﴾

''اب اگر یہ لوگ منہ موڑتے ہیں تو (اے نبی ﷺ) ہم نے تم کو ان پر نگہبان بنا کر تو نہیں بھیجا، تم پر تو صرف بات پہنچا دینے کی ذمہ داری ہے''۔(52)

تمہارا کام صرف پہنچا دینا ہے، تمہارا کام ہدایت دینا نہیں، ہم جس کو چاہیں گے اسے ہدایت ملے گی:

﴿إِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ يَهْدِي ... يَشَاءُ﴾

''(اے نبی ﷺ) تم جسے چاہو اسے ہدایت نہیں دے سکتے مگر اللہ جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے''۔(53)

اس آیت کے ایک عمومی معنی یہ ہیں کہ ہدایت اللہ کی طرف سے ملتی ہے اور کوئی انسان اپنی طرف سے کسی کو ہدایت نہیں دے سکتا۔ دوسرے اس کے خصوصی معنی ہیں، وہ یہ کہ مال خرچ کرنے والے کے ذہن میں جب یہ بات آئے کہ مال میں تو خرچ کرونگا مگر صرف ان لوگوں پر جو اللہ کے احکامات کے تابع ہوں، جو مؤمن اور نیک مسلمان ہوں، صرف ان ہی پر ہی اپنا مال خرچ کرونگا، ان کے علاوہ کسی پر خرچ نہیں کرونگا۔اگر یہ بات کسی کے ذہن میں آتی ہے تو یہاں اس کی نفی کی جارہی ہے ۔ایسا نہیں ہونا چاہئے کہ جب اللہ کی راہ میں مال خرچ کیا جائے تو دیکھا جائے کہ کون ہدایت یافتہ ہے اور کون بے راہ رو، مال تو انسانی بنیادوں پر خرچ کیا جاتا ہے، مال خرچ کرتے وقت پیمانہ انسانی ضروریات ہی ہونا چاہئے۔ یہ نہیں دیکھا جاتا کہ کون کتنا ایماندار ہے۔

....

(52) الشوریٰ 48

(53) القصص 56

انفاق فی سبیل اللہ کے دو پہلو ہیں، ایک وہ مال جسے زکاۃ کہا جاتا ہے اور جو ہر صاحبِ نصاب پر فرض ہے۔اس کی مدات خود اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں واضح کر دی ہیں، ارشادِ الٰہی ہے:

﴿ إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِينِ وَالْعَامِلِينَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ وَالْغَارِمِينَ وَفِي سَبِيلِ اللَّهِ وَابْنِ السَّبِيلِ ، فَرِيضَةً مِّنَ اللَّهِ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ﴾

''یہ صدقات تو دراصل فقیروں اور مسکینوں کیلئے ہیں اور ان لوگوں کیلئے جو صدقات کے کام پر مامور ہوں اور ان کیلئے جن کی تالیف قلب مطلوب ہو نیز یہ گردنوں کے چھڑانے اور قرضداروں کی مدد کرنے میں اور راہِ خدا میں اور مسافر نوازی میں استعمال کرنے کیلئے ہیں، ایک فریضہ ہے اللہ کی طرف سے اور اللہ سب کچھ جاننے والا اور دانا و بینا ہے''۔(54)

یہ 8 مدات ہیں، جو اللہ تعالیٰ نے زکاۃ کے مصارف کے ضمن میں واضح کر دی ہیں۔ ان 8 مدات کے علاوہ آپ کہیں خرچ نہیں کر سکتے۔(55)

....

(54) التوبہ 60

(55) اس میں کوئی شک نہیں کہ صدقات کے اولین مستحق فقراء اور ان کے بعد مساکین ہیں جس طرح سے آیت مذکورہ میں صراحت آئی ہے تاہم فقیر اور مسکین میں ایک باریک فرق ہے جس پر علماء میں کافی اختلاف ہے۔مولانا ابوالاعلیٰ مودودیؒ نے فقیر اور مسکین کی تشریح کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ''فقیر سے مراد ہر وہ شخص ہے جو اپنی معیشت کیلئے دوسرے کی مدد کا محتاج ہو۔یہ لفظ تمام حاجت مندوں کیلئے عام ہے خواہ وہ جسمانی نقص یا بڑھاپے کی وجہ سے مستقل طور پر محتاجِ اعانت ہو گئے ہوں یا کسی عارضی سبب سے سر دست مدد کے محتاج ہوں اور اگر انہیں سہارا مل جائے تو آگے چل کر خود اپنے پاؤں پر کھڑے ہو سکتے ہوں مثلاً یتیم بچے، بیوہ عورتیں، بے روزگار لوگ اور وہ لوگ جو وقتی حوادث کے شکار ہو گئے ہوں۔

مسکنت کے لفظ میں عاجزی، درماندگی، بے چارگی اور ذلت کے مفاہیم شامل ہیں۔اس اعتبار سے مساکین وہ لوگ ہیں جو عام حاجت مندوں کی بہ نسبت زیادہ خستہ حال ہوں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس لفظ کی تشریح کرتے ہوئے خصوصیت کے ساتھ ایسے لوگوں کو مستحقِ امداد ٹھہرایا ہے جو اپنی ضروریات کے مطابق ذرائع نہ پا رہے ہوں اور سخت تنگ حال ہوں مگر نہ تو ان کی خودداری ہاتھ پھیلانے کی =

انفاق فی سبیل اللہ کا دوسرا پہلو صدقات ہیں جس میں یہ نہیں دیکھا جاتا کہ لینے والا کون ہے۔یہ مال تو محض انسانی بنیادوں پر خرچ کیا جاتا ہے۔ضرورت مندوں پر مال خرچ کرنے والے سے وعدہ کیا جا رہا ہے کہ:

﴿ وَمَا تُنفِقُوا مِنْ خَيْرٍ فَلِأَنفُسِكُمْ ﴾

....

= اجازت دیتی ہو اور نہ ان کی ظاہری حالت ایسی ہو کہ کوئی انہیں حاجت مند سمجھ کر ان کی مدد کیلئے ہاتھ بڑھائے۔ چنانچہ حدیث طیبہ میں اس کی تشریح ں آئی ہے کہ:

اَلْمَسْكِيْنُ الَّذِىْ لَايَجِدُ غِنَىٰ يُغْنِيْهِ وَلَا يُفْطَنُ لَهٗ فَيُتَصَدَّقَ عَلَيْهِ وَلَا يَقُوْمُ فَيَسْأَلَ النَّاسَ

''مسکین وہ ہے جو اپنی حاجت بھر مال نہیں پاتا اور نہ پہچانا جاتا ہے کہ اس کی مدد کی جائے اور نہ کھڑا ہو کر لوگوں سے مانگتا ہے''۔ (صحیح بخاری و مسلم میں حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی حدیث کا حصہ، دیکھئے: بخاری 1479، مسلم 1039)

گویا وہ ایسا شریف آدمی ہے جو غریب ہو۔(تفہیم القرآن، از مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ، سورہ التوبہ، حاشیہ 61، 62)

فقیر اور مسکین کی تشریح کرتے ہوئے علامہ قرطبیؒ نے لکھا ہے کہ ''علمائے فقہ اور لغت کے درمیان فقیر اور مسکین کی شرح میں بڑا اختلاف ہے۔ یعقوب بن السکیت، القتبی اور یونس بن حبیب کا کہنا ہے کہ فقیر کا حال مسکین سے بہتر ہے۔فقیر وہ ہے جس کے پاس کچھ نہ کچھ ہے جبکہ مسکین وہ ہے جس کے پاس کچھ نہیں۔بعض دیگر ماہرین لغت نے مسکین کو فقیر سے بہتر حال قرار دیا ہے اور ان کی دلیل سورہ الکہف کی آیت 79 ہے جس میں فرمایا گیا ہے ''اس کشتی کا معاملہ یہ ہے کہ وہ چند غریب آدمیوں کی تھی (آیت کے متن میں ''مساکین'' کا لفظ آیا ہے) جو دریا میں محنت مزدوری کرتے تھے''۔معلوم ہوا کہ ان مساکین کے پاس سمندر میں چلنے والی کشتی تھی جس سے ان کا گزر بسر ہوتا تھا۔اس طرح ان کے پاس آمدنی کا مستقل ذریعہ تھا۔ یہ الگ بات ہے کہ یہ آمدنی ان کی ضرورتوں کیلئے ناکافی تھی۔مسکین کو فقیر سے بہتر حال قرار دینے والوں کے پاس ایک اور دلیل رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت 2 دعائیں ہیں۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم دعا فرمایا کرتے تھے کہ ''اے اللہ میں تجھ سے فقر کے فتنے سے پناہ چاہتا ہوں''۔(صحیح بخاری و مسلم میں حضرت عائشہ صدیقہؓ سے مروی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طویل دعا مبارکہ کا ایک حصہ۔ مزید تفصیل کیلئے دیکھئے: بخاری 6368، 6375 اور 6377 نیز مسلم 589 اور 2713) اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا ہے ''اے اللہ مجھے مسکین زندہ رکھ، مسکین کی موت دے اور (قیامت کے دن) مجھے مساکین کے ساتھ اٹھا''۔(حضرت ابو سعید خدریؓ سے مروی حدیث پاک جسے علامہ البانیؒ نے السلسلة الصحيحة میں صحیح قرار دیا ہے، دیکھئے: السلسلة الصحيحة 308، صحيح الجامع 1261۔واضح رہے کہ بعض محدثین اسے ضعیف قرار دیتے ہیں)

معلوم ہوا کہ مسکین، فقیر سے بہتر حال ہے کیونکہ یہ ناممکن ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فقر سے پناہ طلب فرماتے اور اس سے بدتر حالت مسکینی کی دعا فرماتے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ دعا قبول فرمائی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس دنیا سے اس حال میں رخصت ہوئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اللہ کا دیا ہوا مال موجود تھا مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ضروریات کے لئے ناکافی تھا، یہی وجہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زرہ یہودی کے پاس گروی رکھوائی تھی۔(الجامع لاحکام القرآن، از علامہ قرطبیؒ، تفسیر سورہ التوبہ، آیت 60)

''اور خیرات میں جو مال تم خرچ کرتے ہو وہ تمہارے اپنے لئے بھلا ہے''

جو کچھ تم خرچ کر رہے ہو، اپنے لئے خرچ کر رہے ہو، خواہ جس پر تم خرچ کر رہے ہو وہ ہدایت یافتہ ہے یا نہیں مگر تم نے جو مال خرچ کیا وہ اللہ کو معلوم ہے اور تمہیں اسکا اجر بہرحال ملے گا۔

﴿ وَمَا تُنْفِقُونَ إِلَّا ابْتِغَاءَ وَجْهِ اللّٰهِ ﴾

''آخر تم اسی لئے تو خرچ کرتے ہو کہ اللہ کی رضا حاصل ہو''

تمہارا مال خرچ کرنے میں جو نیت ہے وہ اللہ کی خوشنودی اور اس کی رضامندی کا حصول ہے تو وہ بہرحال تم کو حاصل ہو جائے گی، اللہ تعالیٰ تم پر کوئی ظلم نہیں کرے گا۔

﴿ وَمَا تُنْفِقُوا مِنْ خَيْرٍ يُوَفَّ إِلَيْكُمْ وَأَنْتُمْ لَا تُظْلَمُونَ ﴾

''تو جو کچھ مال تم خیرات میں خرچ کرو گے، اس کا پورا پورا اجر تمہیں دیا جائے گا اور تمہاری حق تلفی ہرگز نہ ہوگی''۔

گویا یہ مال خرچ کرو اور خرچ کرتے وقت یہ نہ دیکھو کہ جو تم سے یہ مال لے رہا ہے اس کا کتنا ایمان ہے؟ تمہیں بہرحال اس کا پورا اجر ملے گا اور تمہارے انفاق کے بدلے میں تمہاری کوئی حق تلفی نہ ہوگی۔

یہ تھی سورہ البقرہ کی زیر بحث آیات 267 تا 272 کی مختصر تشریح۔ درحقیقت انفاق فی سبیل اللہ بڑا وسیع موضوع ہے اور میں چاہتا ہوں کہ آئندہ صفحات میں اس کے دیگر اہم پہلوؤں کا بھی احاطہ کیا جائے۔ جیسا کہ میں نے شروع میں عرض کیا کہ اللہ کے دین کا کام انفاق فی سبیل اللہ کے بغیر نہیں ہوسکتا۔ رسول اکرم ﷺ نے بھی غلبہ ونصرتِ دین کیلئے انفاق کی اپیل کی اور اس کی ترغیب دلوائی۔ یہی وہ چیز ہے جسے اللہ نے مومنوں

سے جنت کے بدلے میں خرید لی ہے، ارشاد ربانی ہے:

﴿ إِنَّ اللّٰهَ اشْتَرَىٰ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ أَنْفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُمْ بِأَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ ۚ يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ فَيَقْتُلُونَ وَيُقْتَلُونَ ۖ وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا فِي التَّوْرَاةِ وَالْإِنْجِيلِ وَالْقُرْآنِ ۚ وَمَنْ أَوْفَىٰ بِعَهْدِهِ مِنَ اللّٰهِ ۚ فَاسْتَبْشِرُوا بِبَيْعِكُمُ الَّذِي بَايَعْتُمْ بِهِ ۚ وَذَٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ﴾

''حقیقت یہ ہے کہ اللہ نے مومنوں سے ان کے نفس اور ان کے مال جنت کے بدلے خرید لئے ہیں، وہ اللہ کی راہ میں لڑتے اور مارتے اور مرتے ہیں، ان سے (جنت کا وعدہ) اللہ کے ذمے ایک پختہ وعدہ ہے، توراۃ اور انجیل اور قرآن میں، اور کون ہے جو اللہ سے بڑھ کر اپنے عہد کا پورا کرنے والا ہو؟ پس خوشیاں مناؤ اپنے اس سودے پر جو تم نے خدا سے چکا لیا ہے، یہی سب سے بڑی کامیابی ہے''۔(57)

انفاق عربی کا لفظ ہے جس کا مطلب ''خرچ کرنا'' ہے۔ عربی زبان کی یہ عجیب خوبی ہے کہ ایک ہی لفظ کے دو مختلف معانی نکل آتے ہیں جو بعض مرتبہ متضاد بھی ہوتے ہیں، جیسے حرم کا لفظ ہے، اسی سے حرام بنا اور اسی سے محترم بھی بن گیا۔ دونوں کے بالکل مختلف معانی ہیں مگر دونوں کا مادہ ایک ہی ہے۔ وہی انداز ''انفاق'' کے معاملے میں بھی نظر آتا ہے۔ یہ تین حروف پر مشتمل لفظ ہے "ن ، ف، ق" اسی سے "نـفـق" ہے جس کے لغوی معنی ہیں وہ چیز جس کے دو منہ ہوتے ہیں چنانچہ سرنگ کو نفق کہتے ہیں۔ اسی سے ''نفاق''

....

(57) التوبہ 111

بنا اور اسی سے ''انفاق'' بن گیا(58)۔انفاق کرنے والے کو "مُنْفِقْ" کہا جاتا ہے اور نفاق کرنے والے کو "منافق" یہ بھی عجیب بات ہے کہ نفاق کا علاج انفاق بتایا گیا ہے۔ ''نفاق'' دلوں کو لگنے والی بیماری ہے، ارشاد ربانی ہے:

﴿فِي قُلُوبِهِم مَّرَضٌ فَزَادَهُمُ اللَّهُ مَرَضًا﴾

''ان کے دلوں میں ایک بیماری ہے جسے اللہ نے اور زیادہ بڑھا دیا''۔(59)

اور نفاق کا علاج انفاق فی سبیل اللہ ہی ہے۔سورہ المنافقون میں نفاق کرنے والوں کا ذکر ہے اور آخر میں ارشاد ہوا:

﴿وَأَنفِقُوا مِن مَّا رَزَقْنَاكُم مِّن قَبْلِ أَن يَأْتِيَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ فَيَقُولَ رَبِّ لَوْلَا أَخَّرْتَنِي إِلَىٰ أَجَلٍ قَرِيبٍ فَأَصَّدَّقَ وَأَكُن مِّنَ الصَّالِحِينَ﴾

''جو رزق ہم نے تمہیں دیا ہے اس میں سے خرچ کرو قبل اس کے کہ تم میں سے کسی کی موت کا وقت آ جائے اور اس وقت وہ کہے کہ اے میرے رب، کیوں نہ تو نے مجھے تھوڑی سی مہلت اور دے دی کہ میں صدقہ دیتا اور صالح لوگوں میں شامل ہو جاتا''۔(60)

انفاق فی سبیل اللہ کیلئے چار شرائط ہیں جو ہمیں قرآن مجید اور احادیث مبارکہ کے مطالعے میں نظر آتی ہیں، ان کے بغیر اللہ کے ہاں انفاق قبول نہیں۔پہلی شرط یہ ہے کہ مال طیب ہو

....

(58) عربی میں کہا جاتا ہے "نَفَقَت الدابة" یعنی جانور مر گیا، "نَفَقَ البیع" کا مطلب ہے کہ تجارت رائج ہوگئی، اَنْفَقَ الرجل کا مطلب ہے کہ آدمی کا مال ضائع ہوگیا اور وفقیر و تنگدست ہوگیا، یہی مفہوم سورہ الاسراء کی آیت 100 میں بھی مذکورہ ہے، ارشاد ہوا: إِذًا لَّأَمْسَكْتُمْ خَشْيَةَ الإِنفَاقِ یعنی اگر کہیں میرے رب کی رحمت کے خزانے تمہارے قبضے میں ہوتے تو تم خرچ ہو جانے کی اندیشے سے ضرور ان کو روک رکھتے۔(دیکھئے: مختار الصحاح، محمد بن ابی بکر الرازی، ص674)

(59) البقرہ10

(60) المنافقون10

،دوسری شرط یہ ہے کہ جو کچھ خرچ کرو خالص اللہ تعالیٰ کیلئے خرچ کرو، تیسری شرط یہ ہے کہ خرچ کرو ان طریقوں سے جن طریقوں سے نبی اکرم ﷺ نے خرچ کیا ہے اور چوتھی شرط یہ ہے کہ مال خرچ کرنے کے بعد احسان نہ جتایا جائے۔ارشاد ربانی ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُبْطِلُوا صَدَقَاتِكُم بِالْمَنِّ وَالْأَذَىٰ﴾

''اے ایمان لانے والو! اپنے صدقات کو احسان جتا کر اور دکھ دے کر خاک میں نہ ملا دو''۔(61)

انفاق فی سبیل اللہ کے ضمن میں ہمیں یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ اسلام کے معاشی نظام کے دو پہلو ہیں، ہماری بدقسمتی ہے کہ ہماری نظر سے اس کا ایک پہلو اوجھل رہتا ہے۔ یہ پہلو قانونی ہے اور وہ اس طرح کہ اگر کوئی صاحب نصاب ہے تو وہ ایک خاص شرح سے زکاۃ دینے کا پابند ہے۔ اگر کوئی صاحب نصاب زکاۃ دینے سے انکار کردے تو اسلامی ریاست اس کے ساتھ کیا طرز عمل اختیار کرے گی؟ یہ جاننے کیلئے ہمیں حضرت ابوبکر صدیقؓ کی سیرت کا مطالعہ کرنا ہوگا۔ تاریخ شاہد ہے کہ رسول اکرم ﷺ کی وفات کے بعد مسلمانوں کی ایک جماعت نے زکاۃ ادا کرنے سے انکار کردیا تھا تو صدیق اکبرؓ نے ان کے خلاف جنگ کی۔آپؓ نے فرمایا:

﴿وَاللَّهِ لَوْ مَنَعُونِي عِقَالًا كَانُوا يُؤَدُّونَهُ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ ﷺ لَقَاتَلْتُهُمْ عَلَى مَنْعِهِ﴾

''اللہ کی قسم! اگر یہ اونٹ کی ایک رسی بھی روکیں گے، جو زکاۃ میں رسول اللہ ﷺ کو دیا کرتے تھے تو میں اس کے روکنے پر بھی ان کے خلاف جنگ کروں گا''

حضرت عمر فاروقؓ فرماتے ہیں:

....

(61) البقرہ264

صدیق اکبرؓ کے عزم سے ظاہر ہو رہا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ہی اس معاملے میں ان کا سینہ کھول دیا ہے، پھر مجھے بھی یقین ہو گیا کہ یہی حق ہے''۔(62)

تو صدیق اکبرؓ نے مانعین زکاۃ کے خلاف جنگ کی۔ اگر اسلامی ریاست قائم ہو تو وہ آپ سے آپ کے مال کا حساب کتاب لینے کی مجاز ہوگی نیز زکاۃ بھی وصول کرے گی، یہ انفاق کا قانونی پہلو ہے۔ اس کا ایک اخلاقی پہلو بھی ہے، جو آدمی زکاۃ دیتا ہے تو اپنے پورے مال کے 40 حصوں میں سے ایک حصہ دیتا ہے، اس کے پاس ابھی 39 حصے باقی ہوتے ہیں۔ اس میں سے وہ اپنی ضرویات پوری کر سکتا ہے مگر زکاۃ کے بعد بھی اللہ تعالیٰ نے اس مال میں محتاجوں کا حصہ رکھا ہے۔

ارشاد ربانی ہے:

﴿لَّيْسَ الْبِرَّ أَن تُوَلُّوا وُجُوهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلَٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالْكِتَابِ وَالنَّبِيِّينَ وَآتَى الْمَالَ عَلَىٰ حُبِّهِ ذَوِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسَاكِينَ وَابْنَ السَّبِيلِ وَالسَّائِلِينَ وَفِي الرِّقَابِ وَأَقَامَ الصَّلَاةَ وَآتَى الزَّكَاةَ وَالْمُوفُونَ بِعَهْدِهِمْ إِذَا عَاهَدُوا ۖ وَالصَّابِرِينَ فِي الْبَأْسَاءِ وَالضَّرَّاءِ وَحِينَ الْبَأْسِ ۗ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ صَدَقُوا ۖ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُتَّقُونَ﴾

''نیکی یہ نہیں کہ تم نے اپنے چہرے مشرق کی طرف کر لئے یا مغرب کی طرف بلکہ نیکی یہ ہے کہ آدمی اللہ کو اور یوم آخرت اور ملائکہ کو اور اللہ کی نازل کی ہوئی کتاب اور اس کے پیغمبروں کو دل سے مانے اور اللہ کی محبت میں اپنا دل پسند مال رشتے داروں اور یتیموں پر، مسکینوں اور مسافروں پر، مدد کیلئے ہاتھ پھیلانے والوں پر اور غلاموں کی رہائی پر خرچ

(62) بخاری 7284، مسلم 20، ابوداؤد 1556، نیز کتب سیر میں بھی یہ واقعہ مذکورہ ہے۔

کرے، نماز قائم کرے اور زکاۃ دے اور نیک وہ لوگ ہیں کہ جب عہد کریں تو اسے وفا کریں اور تنگی و مصیبت کے وقت اور حق و باطل کی جنگ میں صبر کریں، یہ ہیں راستباز لوگ اور یہی لوگ متقی ہیں''۔(63)

ایک ہی آیت میں، زکاۃ کا بھی ذکر ہے اور مال خرچ کرنے کا بھی، زکاۃ کا ذکر بعد میں آیا اور مال خرچ کرنے کا ذکر پہلے آیا۔ یہ اسلام میں معاشی نظام کا اخلاقی پہلو ہے جس طرف اسلام ترغیب تو دیتا ہے مگر قانون مقرر نہیں کرتا، وہ یہ بھی نہیں بتاتا کہ ڈھائی فیصد زکاۃ دینے کے بعد کتنا فیصد انفاق کرنا ہے۔ اسلام ترغیب دیتا ہے کہ تمہاری ضرورت سے جتنا مال زیادہ ہوا سے اللہ کی راہ میں خرچ کرو:

﴿وَيَسْأَلُونَكَ مَاذَا يُنفِقُونَ قُلِ الْعَفْوَ﴾

''پوچھتے ہیں: ہم راہِ خدا میں کیا خرچ کریں؟ کہو: جو کچھ تمہاری ضرورت سے زیادہ ہو'' (64)

اپنی ضرورت کا تعین تمہیں خود کرنا ہوگا۔ ضرورت کے تعین کیلئے وہ بات آجاتی ہے جس کا ذکر میں نے اس کتاب کے شروع میں کیا تھا اور جسے اقدار اور ویلیو سسٹم کا نام دیا تھا۔ ہم کس چیز کو اہم سمجھتے ہیں اور کس چیز کو غیر اہم؟ اگر ہم دنیا ہی کو اہم سمجھتے ہیں، ہمارے نزدیک دنیا ہی سب کچھ ہے اور آخرت کی ہمارے نزدیک کوئی اہمیت نہیں تو ہم دنیا اور اس کی لذتیں حاصل کرنے میں لگے رہیں گے تو ہماری دنیاوی ضرورتیں کبھی پوری

(63) البقرہ 177

(64) البقرہ 219

نہ ہوں گی۔اس کے برعکس اگر آخرت ہمیں مطلوب ہے اور حقیقت میں سمجھتے ہیں کہ یہ دنیا محض دھوکہ اور فریب ہے تو ہم اپنی آخرت کو نے اور سنوارنے میں لگ جائیں گے، اگر ایسا ہوگا تو پھر ہم اپنی دنیاوی ضرورتوں کو محدود کرتے ہوئے اپنا مال آخرت میں لگانے کی فکر میں ہوں گے۔ہمیں یقین ہوگا کہ جو مال ہم نے دنیا کے لئے لگایا ہے وہ ضائع ہوگیا اور جو مال آخرت پر لگایا گیا ہے وہی محفوظ ہوگیا اور وہی کل ہمارا اثاثہ بنے گا۔اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

يَقُولُ الْعَبْدُ مَالِي مَالِي ، اِنَّمَا لَهُ مِنْ مَالِهِ ثَلَاثٌ مَا اَكَلَ فَاَفْنىٰ ، اَوْ لَبِسَ فَاَبْلىٰ ، اَوْ اَعْطىٰ فَاقْتَنىٰ وَمَا سِوَى ذٰلِكَ فَهُوَ ذَاهِبٌ وَتَارِكُهُ لِلنَّاسِ

’’بندہ کہتا ہے: میرا مال! میرا مال! حالانکہ اس کے مال میں سے 3 چیزیں اس کی ہیں، جو اس نے کھا کے ختم کردیا، یا پہن کے بوسیدہ کردیا یا (صدقہ) دے کر (آخرت کا) توشہ دیا اس کے سوا جو مال ہے تو وہ دوسرے لوگوں کے لئے چھوڑ کر (اس دنیا سے) چلا جائے گا‘‘۔(65)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دولت کدے میں ایک بکری ذبح کی گئی اور اس کا سارا گوشت تقسیم کیا گیا، صرف شانے کا گوشت گھر والوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے بچا کر رکھ لیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو شانے کا گوشت پسند تھا۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم گھر تشریف لائے تو دریافت فرمایا:

مَا بَقِيَ مِنْهَا

’’(بکری کے گوشت میں سے) کیا باقی رہ گیا ہے؟‘‘

گھر والوں نے عرض کیا:

....

(65)حدیث صحیح: بروایت حضرت ابو ہریرہؓ، مسلم 2959، صحیح الجامع 8133

مَا بَقِيَ مِنْهَا اِلَّا كَتِفُهَا

’’بکری کا سارا گوشت تقسیم ہوگیا ہے، صرف شانے کا گوشت بچ گیا ہے‘‘

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

بَقِيَ كُلُّهَا غَيْرَ كَتِفِهَا

’’(نہیں صرف شانہ نہیں بچا بلکہ) بکری کا سارا گوشت بچ گیا ہے، صرف شانہ ہے جو (ہمارے پاس) رہ گیا ہے‘‘(66)

غور کیجئے گا! ساری بکری باقی رہ گئی کیونکہ اسے اللہ کی راہ میں خرچ کرکے ہم نے اسے آخرت کیلئے بچا لیا، یہ تو صرف شانہ ہے جو ہمارے پاس رہ گیا ہے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے انداز کتنا مختلف ہوگیا ہے، جو ہم دنیا میں خرچ کریں گے، وہ تم ہم نے کھا اور پہن لیا ہے اور جو اللہ کی راہ میں دیا، درحقیقت وہی بچ گیا کہ یہی آخرت کا توشہ ہے۔یہ ہے ویلیو سسٹم جس کی بنیاد پر ہم اپنی دنیا کی ضرورتوں کو ناپ سکتے ہیں۔

انفاق فی سبیل اللہ کا اخلاقی پہلو یہ ہے کہ ہم اپنی ضرورتوں کو کم کرکے اللہ کی راہ میں مال دیں، اس کی مقدار شریعت نے مقرر نہیں کی، یہ کام ہم پر چھوڑ دیا گیا ہے۔اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم حضرت سعدؓ کی عیادت کرنے تشریف لے گئے تو حضرت سعدؓ نے عرض کیا:

’’اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! کیا میں اپنے دو تہائی مال کو صدقہ کردوں؟‘‘

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا تو حضرت سعدؓ نے عرض کیا:

’’کیا اپنا آدھا مال صدقہ کردوں؟‘‘

....

(66)حدیث صحیح: بروایت حضرت عائشہؓ، ترمذی 2470، ترغیب وترہیب 2/56، مشکوٰۃ 2/297، السلسلۃ الصحیحۃ 2544

آپ ﷺ نے پھر منع فرمایا تو حضرت سعدؓ نے عرض کیا:

''کیا اپنا ایک تہائی مال صدقہ کر دوں؟''

آپ ﷺ نے فرمایا:

''ہاں! حالانکہ ایک تہائی بھی زیادہ ہے، تم اپنے ورثاء کو مالدار چھوڑ دو اس سے بہتر ہے کہ انہیں فقیر اور تنگدست چھوڑ دو کہ وہ (اس حال میں لوگوں سے) سوال کرتے پھریں'' (67)

اسلام اعتدال کی تلقین کرتا ہے، آپ دنیاوی ضرورتوں کو جتنا چاہیں بڑھاتے چلے جائیں، کیا یہ ضرورتیں کبھی ختم ہوں گی؟ حقیقت یہ ہے کہ دنیاوی ضرورتیں کبھی ختم نہیں ہوتیں۔ ان ضرورتوں کو حد اعتدال میں رکھا جائے تو بہتر ہے۔ اس حوالے سے رسول اکرم ﷺ کی سیرت میں ہمارے لئے بہترین نمونہ ہے۔

ایک مرتبہ آپ ﷺ نے نماز پڑھائی اور نماز کے بعد تیز قدموں سے دولت کدے کی طرف تشریف لے گئے، کچھ دیر بعد آپ ﷺ واپس تشریف لے آئے اور صحابہ کرامؓ کے چہروں پر حیرت واستعجاب کے آثار دیکھے تو آپ ﷺ نے فرمایا:

ذَكَرْتُشُ َيْئًامِنْ تِ َبْرٍ عِنْدَنَا، فَكَرِهْتُ َنْمْيُسْ عِنْ ْدَنَا فَأَمَتُ ِقِسْمَتِهِ

''مجھے یاد آیا کہ (صدقے سے بچا ہوا) سونے کا ایک ٹکڑا گھر میں رہ گیا ہے، مجھے برا لگا کہ یہ رات بھر ہمارے ہاں رہے، اس لئے میں نے اسے (غریبوں میں) تقسیم کرنے کا حکم دیا ہے''۔ (68)

....

(67) حدیث صحیح: بروایت حضرت عائشہؓ، نسائی 3635، اسی سے ملتی جلتی دوسری روایت صحیح الادب المفرد میں نقل کی گئی ہے جس کے بارے میں علامہ البانیؒ نے کہا ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے، دیکھئے: صحیح الادب المفرد 384

(68) حدیث صحیح: بروایت حضرت عقبہ بن حارثؓ، بخاری 1221، واضح رہے کہ متن میں "تِبْرٍ" استعمال کیا گیا ہے جس کا مطلب وہ خالص سونا جسے زیور میں ڈھالا نہ گیا ہو، ہیرے جواہرات کو زیور میں ڈھالنے سے پہلے بھی تبر کہتے ہیں۔ دیکھئے: لسان العرب

حضرت عمر فاروقؓ کی زوجہ محترمہ حضرت عاتکہؓ نے ایک مرتبہ مٹھائی کی فرمائش کی۔

آپؓ نے فرمایا:

''مٹھائی خریدنے کیلئے میرے پاس رقم نہیں''۔

اہلیہ نے کہا:

''پیسوں کی فکر نہ کریں، میرے پاس ایک دینار ہے، میں نے گھر کے خرچے سے کچھ بچالیا تھا، آپ اس دینار سے بازار سے مٹھائی لے آیئے''۔

حضرت عمر فاروقؓ کا جواب سنئے:

''اچھا! اس کا مطلب یہ ہے کہ ہمیں ضرورت سے زیادہ وظیفہ ملتا ہے کہ اس سے بچایا بھی جا سکتا ہے''۔

آپؓ نے وہ دینار بیت المال میں جمع کرا دیا اور اپنا وظیفہ کم کرا دیا۔ (69)

یہ فکرِ آخرت تھی، یہ اللہ کا خوف تھا، یہ اپنی ضرورتوں کو کم کرنے کا انداز تھا، پھر جو بچ جائے اس کو اللہ کی راہ میں خرچ کر دیا، یہ وہ ترغیب ہے جو اسلام ہم کو دیتا ہے۔

....

(69)......

ضمیمہ

(1)

صدقہ وانفاق ایسا موضوع ہے جس پر جتنا لکھا جائے کم ہے۔گزشتہ صفحات میں اس موضوع پر جو کچھ لکھا گیا ہے اس کے علاوہ صدقہ وانفاق کے کچھ مزید پہلوؤں پر روشنی ڈالی جارہی ہے:

صدقہ، بیماریوں کا علاج

اس میں کوئی شک نہیں کہ صدقہ وانفاق کی بڑی برکتیں ہیں۔سلف صالحینؒ سے اس کی عجیب تاثیر ثابت ہے۔علامہ حافظ ابن قیمؒ کا کہنا ہے:

''ابتلاوآزمائش کو دور کرنے میں صدقہ کی تاثیر اکسیر کی سی ہے۔یہ صدقہ خواہ فاسق وفاجر وظالم حتیٰ کہ کافر کی طرف سے کیا جائے،اس کی برکت سے اللہ تعالیٰ بلائیں ٹال دیتا ہے''(70)

صدقہ بیماریوں کا مجرب علاج ہے۔اس سے شفا حاصل کرنا رسول اکرم سے ثابت ہے۔رسول اکرم کا فرمان ہے:

دَاوُوْا مَرْضَاكُمْ بِالصَّدَقَةِ

''اپنے بیماروں کا علاج صدقہ دے کر کیا کرو''(71)

---

(70)الوبل الصیب،ازعلامہ ابن قیمؒ ص49،50

(71)حدیث حسن :بروایت حضرت ابوامامہ الباہلیؓ، دیکھئے: صحیح الجامع 3358 نیز علامہ البانیؒ نے صحیح الترغیب والترہیب میں اسے ''حسن لغیرہ'' قرار دیا ہے، دیکھئے: صحیح الترغیب والترہیب 744۔

نیز آپ کا فرمان ہے:

فِتْنَةُ الرَّجُلِ فِي أَهْلِهِ وَمَالِهِ وَنَفْسِهِ وَوَلَدِهِ وَجَارِهِ يُكَفِّرُهَا الصِّيَامُ وَالصَّلَاةُ وَالصَّدَقَةُ وَالْأَمْرُ بِالْمَعْرُوفِ وَالنَّهْيُ عَنِ الْمُنْكَرِ

''آدمی کے اہل، مال، اس کی جان، اس کی اولاد اور اس کے پڑوسیوں میں ہونے والی آزمائش اور ابتلا کو روزہ، نماز، صدقہ، امر بالمعروف ونہی عن المنکر دور کردیتا ہے''۔(72)

حافظ ابن قیمؒ کا کہنا ہے کہ:

''صدقہ دراصل وہ اکسیر ہے جس کی تاثیر ماہر اطباء کی ادویہ میں بھی نہیں، صدقہ دینے کے علاوہ مصیبت زدگان کی مدد دراصل بیماریوں کی شفا کا سبب ہے، یہ مجرب نسخہ ہے جسے تمام انسانیت نے آزما کر دیکھا ہے''۔(73)

بیماریوں سے صدقہ دینے سے شفا کا حصول کیسے ہوتا ہے؟ درج ذیل آیت پر غور کرنے سے اندازہ ہو جاتا ہے:

﴿وَمَا أَصَابَكُمْ مِنْ مُصِيبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ أَيْدِيكُمْ وَيَعْفُو عَنْ كَثِيرٍ﴾

''تم پر جو مصیبت بھی آئی ہے، تمہارے اپنے ہاتھوں کی کمائی سے ہے اور بہت سے قصوروں سے وہ ویسے ہی درگزر کر جاتا ہے''۔(74)

صدقہ سے شفا حاصل کرنے کیلئے ضروری ہے کہ صدقہ کے آداب ملحوظ رکھے جائیں۔اس حوالے سے سب سے پہلا ادب یہ ہے کہ مال حلال اور طیب ہو، صدقہ

---

(72)حدیث صحیح :بروایت حضرت حذیفہ بن یمانؓ، بخاری 525،1895، مسلم 144

(73)زاد المعاد، از علامہ حافظ ابن قیمؒ 10/4

(74)الشوریٰ 30

شفا حاصل کرنے کی نیت سے کیا جائے، صدقہ استطاعت اور حیثیت کو ملحوظ رکھتے ہوئے کیا جائے، صدقہ خالص اللہ تعالیٰ کیلئے ہو، صدقہ مستحق اور صحیح آدمی کے ہاتھ میں پہنچایا جائے۔ صدقہ سے شفا اس وقت تک حاصل نہ ہوگی جب تک اس بات کا یقین نہ ہو کہ صدقہ دینے سے ضرور بالضرور شفا حاصل ہوگی۔ دل میں ذرہ برابر یہ خیال نہ ہو کہ تجربہ کرکے دیکھا جائے، شاید شفا ہو جائے بلکہ اللہ کی رحمت سے پوری امید اور شفا کے حصول کا پورا یقین ہونا چاہئے۔ بعض مرتبہ صدقہ دینے سے فوری شفا نہیں ہوتی، اگر ایسا ہو تو دوبارہ صدقہ کیا جائے اور یقین اور ایمان کے ساتھ کیا جائے۔ اس کے باوجود اگر شفا نہ ہو تو صدقہ دینے والا اور خود مریض اپنی زندگی کا جائزہ لے، کہیں اس نے کسی پر ظلم تو نہیں کیا، کہیں کوئی سنگین گناہ تو اس سے سرزد نہیں ہوا، اس سے پہلے صدق دل سے توبہ واستغفار کیا جائے۔

ضرورت پوری کرنا

ضرورت مندوں کی ضرورت پوری کرنا اور کسی مسلمان بھائی کے کام آنا بڑی نیکی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کے نزدیک لوگوں میں سب سے زیادہ محبوب اور پسندیدہ اس شخص کو قرار دیا جو لوگوں کو نفع پہنچائے اور پسندیدہ نیکی اس کو قرار دیا کہ کسی مسلمان کے دل میں خوشی داخل کردی جائے۔ آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ کسی مسلمان بھائی کی ضرورت پوری کرنے کے لئے چلنا مجھے مسجد میں ایک مہینہ اعتکاف کرنے سے زیادہ محبوب ہے۔ فرمان رسول ﷺ ہے:

اَحَبُّ النَّاسِ اِلَى اللّٰهِ اَنْفَعُهُمْ لِلنَّاسِ، وَاَحَبُّ الْاَعْمَالِ اِلَى اللّٰهِ

عَزَّوَجَلَّ سُرُوْرٌ تُدْخِلُهُ عَلٰى مُسْلِمٍ، اَوْ تَكْشِفُ عَنْهُ كُرْبَةً، اَوْ يَقْضِيْ عَنْهُ دَيْنًا، اَوْ تَطْرُدُ عَنْهُ جُوْعًا، وَلَاَنْ اَمْشِيَ مَعَ اَخِيْ فِيْ حَاجَةٍ اَحَبُّ اِلَيَّ مِنْ اَنْ اَعْتَكِفَ فِيْ هٰذَا الْمَسْجِدِ يَعْنِيْ مَسْجِدَ الْمَدِيْنَةِ شَهْرًا

''اللہ تعالیٰ کے نزدیک پسندیدہ شخص وہ ہے جو لوگوں کے سب سے زیادہ کام آئے اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک پسندیدہ ترین عمل وہ ہے جس سے کسی مسلمان کا دل خوش ہو جائے یا اس کی تکلیف دور ہو جائے یا اس کا قرض ادا کیا جائے یا اس کی بھوک دور کی جائے۔ کسی مسلمان بھائی کی حاجت پوری کرنے کیلئے میرا اس کے ساتھ چلنا، میرے نزدیک اس مسجد (مسجد نبوی) میں ایک ماہ اعتکاف میں بیٹھنے سے زیادہ بہتر ہے''۔(75)

حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے کہ وہ ایک مرتبہ مسجد نبوی میں اعتکاف میں تھے کہ ایک آدمی آپؓ سے ملنے آیا جس کے چہرے پر غم اور پریشانی کے آثار ظاہر تھے۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے ان سے پوچھا:

''تمہارے چہرے پر غم و پریشانی کے آثار دیکھ رہا ہوں، آخر اس کی کیا وجہ ہے؟''۔

اس آدمی نے کہا:

''اے رسول اکرم ﷺ کے عم زاد! آپؓ نے صحیح اندازہ لگایا، فلاں آدمی کا میرے ذمے قرض ہے جس کی وجہ سے میں پریشان ہوں''۔

پھر اس نے رسول اکرم ﷺ کی قبر مبارک کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا:

''اس قبر والے (ﷺ) کی حرمت، میں یہ قرض ادا کرنے سے قاصر ہوں''۔(76)

(75)حدیث صحیح: بروایت حضرت عبداللہ بن عمرؓ، دیکھئے: السلسلة الصحيحة906، صحيح الجامع176

(76)واضح رہے کہ عربی متن میں بھی یہی الفاظ ہیں ''وحرمة صاحب هذا القبر''

حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے فرمایا:

''اگر تم چاہو تو میں تمہارے متعلق اس شخص سے سفارش کروں؟''۔

اس آدمی نے کہا:

''اگر آپؓ چاہیں تو ضرور بات کریں''۔

یہ سننا تھا کہ حضرت ابن عباسؓ فوراً اٹھ کھڑے ہوئے اور آدمی کی سفارش کرنے مسجد سے نکلنے لگے تو اس نے کہا:

''حضرت! کہاں جارہے ہیں؟ کیا آپؓ بھول گئے کہ آپؓ اعتکاف میں بیٹھے ہیں'' یعنی اتنی جلدی بھی کیا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے فرمایا:

''نہیں! نہیں بھولا'' اور رسول اکرم ﷺ کی قبر مبارک کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا:

''مگر میں نے اس قبر والے (ﷺ) کو فرماتے سنا ہے کہ'':

مَنْ مَشٰى فِيْ حَاجَةِ أَخِيْهِ وَبَلَغَ فِيْهَا كَانَ خَيْرًا لَّهُ مِنِ اعْتِكَافِ عَشْرِ سِنِيْنَ

''جو اپنے بھائی کی حاجت پوری کرنے چلا یہاں تک کہ اس کا کام کردے تو یہ اس کیلئے 10 سال اعتکاف میں بیٹھنے سے بہتر ہے''

پھر آپؐ نے اعتکاف کی فضیلت بیان کرتے ہوئے واضح کیا:

''حالانکہ محض اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر ایک دن اعتکاف میں بیٹھنے سے اللہ تعالیٰ جہنم سے تین خندق دور کردیتا ہے جبکہ ایک خندق زمین و آسمان کے برابر ہے''۔(77)

(77) حدیث صحیح او حسن: بروایت حضرت عبداللہ بن عباسؓ، دیکھئے: الترغیب و الترھیب 2/156، نیز امام بیہقیؒ نے شعب الایمان 3/1445 اور خطیب بغدادیؒ نے اسے تاریخ بغداد 4/349 میں بھی نقل کیا ہے۔

مشہور تابعی امام حسن بصریؒ سے یہ قول منقول ہے:

لَأَنْ تَقْضِيَ حَاجَةً لِأَخِيْكَ الْمُسْلِمِ خَيْرٌ لَّكَ مِنْ حَجَّةٍ بَعْدَ حَجَّةٍ

''تمہارا اپنے مسلمان بھائی کی کسی ضرورت کو پورا کرنے کے لئے چلنا، تمہارے لئے حج کے بعد حج کرنے سے زیادہ بہتر ہے''۔(78)

اس قول کے پس منظر میں ایک واقعہ ملتا ہے کہ امام حسن بصریؒ نے کچھ لوگوں کو حضرت ثابت بنانیؒ کے پاس بھیجا کہ وہ ان کے ساتھ ایک شخص کی ضرورت پوری کرنے میں تعاون کریں اور ان کے ساتھ جائیں۔ وہ ان کے پاس آئے اور حضرت حسن بصریؒ کا پیغام پہنچایا تو حضرت ثابتؒ نے معذرت کرتے ہوئے کہا کہ:

''میں حالت اعتکاف میں ہوں''۔

حضرت حسن بصریؒ کو جب یہ پتہ چلا تو کہلا بھیجا کہ:

''کیا تمہیں یہ نہیں معلوم کہ تمہارا کسی مسلمان بھائی کی ضرورت پوری کرنے کے لئے چلنا تمہارے لئے حج کے بعد حج کرنے سے زیادہ بہتر ہے''۔

یہ سننے کے بعد حضرت ثابت نے اپنا اعتکاف چھوڑ دیا اور اپنے مسلمان بھائی کی مدد کے لئے ان کے ساتھ چلے گئے۔(79)

حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے ان کا یہ قول مروی ہے:

لَأَنْ أَعُوْلَ أَهْلَ بَيْتٍ مِّنَ الْمُسْلِمِيْنَ شَهْرًا أَوْ جُمُعَةً أَوْ مَا شَاءَ اللّٰهُ، أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْ حَجَّةٍ بَعْدَ حَجَّةٍ

(78) لطائف المعارف

(79) دیکھئے: جامع العلوم والحکم، از علامہ ابن رجبؒ، حدیث نمبر 36 کی شرح۔

’’کسی مسلمان گھرانہ کی ایک مہینہ یا ایک جمعہ (ایک ہفتہ) یا جب تک اللہ چاہے میں دیکھ بھال کرتا رہوں، یہ مجھے حج کے بعد حج کرنے سے زیادہ محبوب ہے‘‘۔(80)

ضرورت مندوں کی مدد و اعانت اور مسلمان بھائیوں کی خبر گیری، ان کے حوائج پوری کرنے میں اپنا وقت اور محنت صرف کرنا، یہ بڑی اہم اور اللہ کے نزدیک پسندیدہ نیکی ہے، اس کی فضیلت و اہمیت میں کئی صحیح احادیث منقول ہیں۔ بعض سلف صالحینؒ نے اسے مسلسل حج کرتے رہنے سے زیادہ پسندیدہ قرار دیا ہے۔

متوفینؒ کی طرف سے صدقہ

متوفی کی طرف سے صدقہ وانفاق کرنے کا ثواب بڑا عظیم ہے خواہ حقیقی اولاد کی طرف سے کیا جائے یا تعلقدار کی طرف سے، صحیح احادیث سے ثابت ہے کہ صدقہ کا اجر متوفی کو پہنچتا ہے۔

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ بیان کرتی ہیں کہ ایک آدمی نے رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں آکر بیان کیا کہ:

اِنَّ اُمِّی افْتُلِتَتْ نَفْسُهَا وَاَظُنُّهَا لَوْ تَكَلَّمَتْ تَصَدَّقَتْ، فَهَلْ لَهَا اَجْرٌ اِنْ تَصَدَّقْتُ عَنْهَا

’’میری والدہ فوت ہوگئی، مجھے یقین ہے کہ اگر اسے بولنے کی سکت ہوتی تو صدقہ کرنے کی وصیت کرتی، اگر میں اس کی طرف سے صدقہ کروں تو میری ماں کو اس کا اجر ملے گا؟‘‘

....

(80) ارشاد اصحاب الاعذار للحاق بالحجاج والعمار

آپ ﷺ نے فرمایا:

’’ہاں‘‘۔(81)

حضرت سعد بن عبادہؓ کی والدہ جب فوت ہوئیں تو وہ غیر حاضر تھے۔ انہوں نے آپ ﷺ سے دریافت کیا:

یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ اِنَّ اُمِّی مَاتَتْ ، اَفَاَتَصَدَّقُ عَنْهَا

’’یا رسول ﷺ! میری ماں فوت ہوگئیں، کیا میں ان کی طرف سے صدقہ کروں؟‘‘۔

آپ ﷺ نے فرمایا ’’ہاں‘‘

حضرت سعد نے اپنا ایک باغ ان کے نام صدقہ کر دیا(82)۔

مرنے والے کے نام کا صدقہ کرنا چاہئے اور افضل ترین صدقہ، صدقۂ جاریہ ہے۔

ایک مرتبہ رسول اکرم ﷺ، حضرت بلالؓ کے ہاں تشریف لے گئے۔ حضرت بلالؓ، آپ ﷺ کے خازن بھی تھے۔ آپ ﷺ نے حضرت بلالؓ کے پاس ایک پوٹلی میں کھجور دیکھی۔

آپ ﷺ نے اس کے بارے میں دریافت فرمایا تو حضرت بلالؓ نے عرض کیا:

شَیْءٌ اِدَّخَرْتَهُ لِغَدٍ

....

(81) حدیث صحیح : بخاری مع الفتح 3/1388، مسلم 1004

(82) حدیث حسن : نسائی 6/254، ابوداؤد 1681، ابن ماجہ 3684، نیز حضرت سعدؓ کے حوالے سے اس طرح کی دیگر احادیث بھی مروی ہیں جبکہ صحیحین میں بھی اس مفہوم کی احادیث ہیں۔

''تھوڑی سی کھجور ہے جسے میں نے کل کیلئے محفوظ کر رکھا ہے''۔

آپ ﷺ اس پر بہت ناراض ہوئے اور فرمایا:

اَلَمْ تَخْشَىٰ اَنْ تَرَىٰ لَهٗ بُخَارًا فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ اَنْفِقْ بِلَالُ! وَلَا تَخْشَىٰ مِنْ ذِي الْعَرْشِ اِقْلَالًا

''کیا تمہیں اس بات کا ڈر نہیں کہ ذخیرہ کی ہوئی یہ کھجور قیامت کے دن جہنم کی آگ کا دھواں بن جائے، اے بلالؓ! اللہ کی راہ میں خرچ کر اور بچا بچا کر نہ رکھ، وہ عرش والا تمہیں دینے میں کمی نہیں کرے گا''۔(83)

ایک موقع پر آپ ﷺ نے فرمایا:

اَنْفِقْ، يُنْفِقِ اللّٰهُ عَلَيْكَ

''تو بندوں پر خرچ کر، اللہ خزانۂ غیب سے تجھے دیتا رہے گا''۔(84)

صدقہ اللہ تعالیٰ کے غضب کو ٹھنڈا کرنے کا سبب ہے خاص طور پر اگر یہ صدقہ خفیہ کیا جائے۔ رسول اکرم ﷺ کا فرمان ہے:

اِنَّ صَدَقَةَ السِّرِّ تُطْفِئُ غَضَبَ الرَّبِّ سُبْحَانَهٗ وَتَعَالٰى

....

(83) دیکھئے: تخریج مشکوٰۃ المصابیح 1826، علامہ البانی نے اسے "صحیح بمجموع طرقه" کہا ہے جبکہ اس سے ملتی جلتی دیگر روایات مختلف کتب حدیث میں ہیں جن پر محدثین نے کلام کیا ہے۔

(84) حدیث ضعیف: بروایت حضرت قیس بن سلع انصاریؓ، دیکھئے: ضعیف الترغیب والترهیب 542، جبکہ حدیث کے یہ الفاظ ایک طویل حدیث مبارکہ میں بھی آئے ہیں جنہیں علامہ منذریؒ نے اپنی کتاب "الترغیب والترهیب" میں نقل کیا ہے اور اسے صحیح یا حسن قرار دیا ہے۔

''بے شک، خفیہ کیا جانے والا صدقہ رب سبحانہ وتعالیٰ کا غضب ٹھنڈا کرتا ہے''۔(85)

ایک اور مقام پر آپ ﷺ کا فرمان ہے:

صَنَائِعُ الْمَعْرُوْفِ تَقِيْ مَصَارِعَ السُّوْءِ وَصَدَقَةُ خَفِيًّا تُطْفِئُ غَضَبَ الرَّبِّ

نیکیاں، انجامِ بد سے بچاتی ہیں جبکہ چھپا کر کیا جانے والا صدقہ رب کے غضب کو ٹھنڈا کرتا ہے''۔(86)

ایک حدیث میں مجرد صدقہ کا ذکر ہے، ارشاد ہوا:

اِنَّ الصَّدَقَةَ تُطْفِئُ غَضَبَ الرَّبِّ

بے شک، صدقہ رب کے غصے کو ٹھنڈا کرتا ہے''۔(87)

متعدد احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ صدقہ بلاؤں کو ٹالنے کا سبب ہے۔

رسول اکرم ﷺ کا فرمان ہے:

اَلصَّدَقَةُ تَسُدُّ سَبْعِيْنَ بَابًا مِنَ السُّوْءِ

''صدقہ بلاؤں اور مصیبتوں کے 70 دروازوں کو بند کرنے کا سبب ہے''۔(88)

ایک اور حدیث میں ارشادِ رسالت مآب ﷺ ہے:

....

(85) حدیث حسن لغیرہ: ابن ابی الدنیاؒ نے اسے "قضاء الحوائج" میں نقل کیا ہے نیز علامہ البانیؒ نے صحیح الجامع 3940 اور صحیح الترغیب والترهیب 888 میں نقل کیا ہے۔

(86) حدیث حسن: امام طبرانیؒ نے اوسط میں نقل کیا جبکہ علامہ البانیؒ نے اسے صحیح الترغیب 890 میں حسن قرار دیا۔

(87) ترمذی 664، ابن حبان 816، مشکوٰۃ 1909 نیز علامہ البانی نے کہا ہے کہ اس حدیث کے کئی شواہد ہیں، دیکھئے: تمام المنة 390۔

(88) حدیث ضعیف: دیکھئے: ضعیف الجامع 3543، السلسلة الضعيفة 3797۔

صَنَائِعَ الْمَعْرُوْفِ تَقِيْ مَصَا عَ السُّوْءِ دَقَةُ خَفِيًّا تُطْفِئُ غَضَبَ رَّبِّ

نیکیاں، انجامِ بد سے بچاتی ہیں جبکہ چھپا کر کیا جانے والا صدقہ رب کے غضب کو ٹھنڈا کرتا ہے''۔(89)

صدقے کا سایہ

قیامت کے دن جہاں سورج سروں کے قریب کردیا جائے وہاں عرش الٰہی کے سوا کوئی سایہ نہ ہوگا۔اس عالم میں رسول اکرم ﷺ کی ایک حدیث کے مطابق ہر آدمی اپنے صدقے کے سائے میں ہوگا:

كُلُّ امْرِئٍ فِيْ ظِلِّ صَدَقَتِهِ حَتّٰى يُقْضٰى بَيْنَ النَّاسِ

''محشر کے دن لوگوں کے درمیان فیصلہ ہونے تک ہر آدمی اپنے صدقے کے سائے میں ہوگا''۔(90)

ایک اور حدیث میں ارشاد ہوا:

اِنَّ الصَّدَقَةَ لَتُطْفِئُ عَنْ اَهْلِهَا حَرَّ الْقُبُوْرِ، وَاِنَّمَا يَسْتَظِلُّ الْمُؤْمِنُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فِيْ ظِلِّ صَدَقَتِهٖ

''صدقہ قبر کی گرمی کو بجھاتا ہے، دراصل مومن قیامت کے دن اپنے کئے ہوئے صدقے کے سایہ میں ہوگا''۔(91)

....

(89) حدیث حسن: حاشیہ نمبر 86 میں اس کی تخریج ہو چکی ہے واضح رہے کہ "مَصَارِعَ السُّوْءِ" میں بلاؤں اور مصیبتوں کو بھی شمار کیا جاسکتا ہے۔

(90) حدیث صحیح: صحیح الترغیب و الترهیب 872، السلسلة الصحیحة 3484۔

(91) حدیث حسن: السلسلة الصحیحة 3484، صحیح الترغیب 873۔

خاصانِ خدا

کچھ لوگ ایسے ہیں جو مصیبت کے ماروں کی تکلیف پر تڑپ جاتے ہیں۔ یہ لوگ فقراء، مساکین، حاجت مندوں، بیواؤں، یتیموں اور ناداروں کی مدد کیلئے خود کو وقف کردیتے ہیں۔درحقیقت یہ لوگ خاصانِ خدا ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے انسانیت کی خدمت کیلئے چن لیا ہے۔ارشادِ رسالت مآب ﷺ ہے:

اِنَّ لِلّٰهِ عِبَادًا خَلَقَهُمْ لِحَوَائِجِ النَّاسِ، يَفْزَعُ النَّاسُ اِلَيْهِمْ فِيْ حَوَائِجِهِمْ، اُولٰئِكَ هُمُ الْاٰمِنُوْنَ مِنْ عَذَابِ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ

''اللہ تعالیٰ کے کچھ بندے ایسے ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے لوگوں کی ضرورتوں کو پورا کرنے کیلئے پیدا کیا ہے، لوگ اپنی ضرورتوں کیلئے ان کی طرف رجوع کرتے ہیں، یہ وہ لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے محفوظ کئے جائیں گے''۔(92)

احسان کا بدلہ احسان

صدقہ و انفاق میں بہترین اور دل پسند مال دینے کی اس لئے ترغیب دی گئی ہے کہ اس کا بدلہ اسی طرح سے قیامت کے دن ملے گا۔ دنیا کا بھی قانون ہے کہ احسان کا بدلہ احسان اور اچھائی کا بدلہ اچھائی ہے۔ یہ ناممکن ہے کہ کوئی برائی کرے اور اسے اچھائی کی توقع ہو۔اسی طرح سے بدترین مال صدقہ کرنے والا یہ توقع کیسے رکھ سکتا ہے کہ قیامت

....

(92) علامہ ابونعیمؒ نے اسے حلیة الاولیاء 3/261 میں غریب قرار دیا ہے، علامہ ہیثمیؒ نے مجمع الزوائد 8/195 میں کہا ہے کہ اس کے رواۃ میں احمد بن طارق ہیں جنہیں میں نہیں جانتا جبکہ باقی رواۃ صحیح ہیں، علامہ البانیؒ نے اسے السلسلة الضعیفة 3319 میں ضعیف قرار دیا ہے۔

کے دن اسے بہترین اجر ملے گا۔ اس حوالے سے ایک واقعہ رسول اکرم ﷺ کی سیرت مبارکہ سے ہمیں ملتا ہے۔

ایک آدمی نے فقراء اور مساکین کیلئے بدترین قسم کی کھجوریں ایک جگہ پر لٹکا دیں تا کہ فقراء اور مساکین اس میں سے کھائیں۔ رسول اکرم ﷺ کا وہاں سے گزر ہوا تو آپ ﷺ سخت ناراض ہوئے اور ارشاد فرمایا:

لَـوْشَـاءَ ً هٰـذِاِلصـ ً ـدَقَةِ َـصَد ً قَا َطْيَبَ ْ ھَا ً بِّ ً هٰذِاِلصـ ً دَقَةَ يَأ ُ لُ ھُ َ فًا يَوْ َ الْقِيَا

''بدترین کھجوروں کا صدقہ کرنے والا اگر چاہتا تو اس سے بہتر صدقہ کرسکتا تھا، جس طرح اس نے بدترین کھجوروں کا صدقہ کیا ہے، قیامت کے دن اسے بھی کھانے کیلئے بدترین کھجوریں دی جائیں گی''۔(93)

رسول اکرم ﷺ سے پوچھا گیا کہ کس شخص کا صدقہ ثواب کے لحاظ سے بڑھا ہوا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

جُھْدُ الْمُقِّ ِ وَابْدَأْ بِمَنْ تَعُوْلُ ُ

''اس شخص کا صدقہ جو تنگ دست ہے، جس کا خرچ آمدنی سے زیادہ ہے اور بمشکل

(93) حدیث حسن: صحیح نسائی 2492، ابوداؤد 1608، ابن ماجہ 1486، صحیح الترغیب 879، علامہ البانیؒ نے اسے حسن کہا ہے۔ واضح رہے کہ متن میں "حشف" کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ لسان العرب میں لکھا ہے کہ "تمر حشف" وہ کھجور ہے جو بدترین قسم کی ہو، حشف اس کھجور کو بھی کہتے ہیں جو خشک، بدذائقہ اور سوکھی ہو۔

اپنا اور اپنے بال بچوں کا پیٹ پالتا ہے، اپنے صدقے کی ابتدا ان لوگوں سے کرو جن کی پرورش کے تم ذمہ دار ہو''۔(94)

اسی طرح کا سوال ایک اور موقع پر رسول اکرم ﷺ سے کیا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا:

اَنْ تَـصَد ً قَوَا َنْـتَصَحِيْحٌ ت َخْشَىٰ الْفَقْرَ وَتَـ ْلمُ ُ الْغِنَیٰ وَلَا ُ تُمْهِلَ حَتّٰی اِذَا بَلَغَتِ الْ ْحُلْقُوْمَ قُلْتَ لِفُ ُلَانٍ كَذَا وَلِفُلَانٍ كَذَا وَقَدْ كَانَ لِفُ ُلَانٍ

''وہ صدقہ سب سے افضل ہے جو تو اس زمانے میں کرے جبکہ تو صحیح وتندرست ہے اور تجھے محتاجی کا بھی ڈر ہے اور یہ بھی توقع ہے کہ تجھے مزید مال مل سکتا ہے، ایسے زمانے میں صدقہ کرنا سب سے افضل ہے اور تو ایسا نہ کر کہ جب جان حلق میں آجائے اور مرنے لگے تب تو صدقہ کرے اور یوں کہے کہ اتنا فلاں کا ہے اور اتنا فلاں کا ہے، اب تیرے کہنے کا کیا فائدہ؟ اب تو وہ فلاں کا ہو ہی چکا''۔(95)

رسول اکرم ﷺ کا فرمان ہے:

مَنِ اسْتَطَاعَ مِنْكُمْ اَنْ يَّسْتَتِرَ مِنَ النَّارِ وَلَوْ بِشِقِّ تَمْرَةٍ فَلْيَفْعَلْ

''تم میں سے کوئی اگر جہنم کی آگ سے بچنے کی استطاعت رکھتا ہو تو اسے چاہئے کہ وہ ایسا کرے خواہ اس کیلئے کھجور کا آدھا ٹکڑا ہی دینا پڑے''۔(96)

(94) حدیث صحیح: صحیح الترغیب والترہیب 882، تخریج مشکوٰۃ المصابیح 1880، سنن ابوداؤد 1677۔

(95) حدیث صحیح: بخاری 1419، مسلم 1032، نسائی 3613، صحیح الجامع 1111۔

(96) حدیث صحیح: مسلم 1016

ایک اور حدیث میں آپ ﷺ نے فرمایا:

مَـِ ْكُمْ مِّنْ لَاحَدٍ ًّ كَسَيُ لَلِّللا ًٗ هُ لَيْسَ بَيْ نَوَبَيْ ًہٗ تَرْجُمَّا، فَ يَنْظُرَ ًيْمَ مِـ ْهُ ًلا ىٰلِاَ ًّ مَا قَدَّمَ فَيَنْظُرَ ًشْاَمَ مِنْهُ ًلا ىٰلِاَ ًّ مَا قَدَّمَ فَيَنْظُرَ ًلا ىٰلِاَ ًّ النَّارَ تِلْقَاءَ وَجْهِهٖ فَاتَّقُوْا النَّارَ وَلَوْ بِشِقِّ تَمْرَةٍ

’’تم میں سے ہر شخص سے اس طرح محاسبہ ہوگا کہ خدا و بندہ کے درمیان کوئی وکالت اور ترجمانی کرنے والا نہ ہوگا۔ وہ اپنے دائیں طرف دیکھے گا تو اس کے عمل کے سوا کوئی اور نظر نہ آئے گا، پھر بائیں طرف دیکھے گا تو ادھر بھی سوائے اپنے اعمال کے کسی اور کو نہ پائے گا، پھر وہ سامنے نظر ڈالے گا تو جہنم کو اپنے سامنے پائے گا۔ اے لوگو! آگ سے بچنے کی فکر کرو، اگرچہ ایک کھجور کا آدھا حصہ ہی تمہارے پاس ہو اسی کو دے کر آگ سے بچو‘‘۔(97)

....

(97) حدیث صحیح : بخاری 7512

ضمیمہ

(2)

صدقۂ فطر

انفاق وصدقات کے ضمن میں صدقہ فطر بھی ایک متعلقہ موضوع ہے۔ گوکہ یہ خالص فقہی موضوع ہے مگر اس کی فقہی پیچیدگیوں سے ہٹ کر اسے آسان اور سلیس انداز میں پیش کرنے کی کوشش کی جارہی ہے تاکہ صدقات اور انفاق کا مطالعہ کرنے والے کو بھی اس کی اہمیت اور افادیت کا اندازہ ہوجائے(98)۔

صدقۂ فطر کو زکوٰۃ الفطر، فطرانہ اور فطرہ بھی کہا جاتا ہے۔ اس کا حکم پہلی مرتبہ 2ھ میں عید سے 2 دن قبل رمضان میں دیا گیا تھا(99)۔

صدقہ فطر جمہور ائمہ وفقہاء کے نزدیک فرض ہے(100)۔ احناف کے نزدیک یہ واجب ہے جبکہ فرض یا واجب دونوں میں صرف معمولی لفظی ونظری فرق ہے ورنہ عملاً دونوں میں کوئی خاص فرق نہیں(101)۔ اس صدقہ کی مشروعیت وفرضیت قرآن مجید و

....

(98) اس مضمون کا بیشتر حصہ ’’احکام رمضان وروزہ‘‘ از شیخ محمد منیر قمر سے لیا گیا ہے۔

(99) تحفۃ الاحوذی 3/344 نقلاً عن القسطلانی

(100) تحفۃ الاحوذی 3/348

(101) بذل المجھود 2/1/23

سنت طیبہ سے ثابت ہے۔

ارشادِ الٰہی ہے:

﴿ قَدْ أَفْلَحَ ... كّٰى، وَ ... كَرَ ... طٰى ﴾

''فلاح پا گیا وہ جس نے پاکیزگی اختیار کی اور اپنے رب کا نام یاد کیا اور پھر نماز پڑھی'' (102)

اس آیت میں جو لفظ ''تَزَكّٰى'' ہے اس سے مراد زکوٰۃ الفطر ادا کرنا ہے جیسا کہ صحیح ابن خذیمہ میں ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ سے اس آیت قَدْ أَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى کے بارے پوچھا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا:

نَزَلَتْ ... ةِ الْفِطْرِ

''یہ آیت صدقۂ فطر کے بارے میں نازل ہوئی ہے'' (103)

ابن عیینہ نے اپنی تفسیر میں حضرت عکرمہؒ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ آدمی عید الفطر کی نماز سے پہلے پہلے اپنی زکوٰۃ الفطر ادا کرلے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ قَدْ أَفْلَحَ ... كّٰى وَ ... كَرَ ... طٰى ﴾

''فلاح پا گیا وہ جس نے پاکیزگی اختیار کی اور اپنے رب کا نام یاد کیا اور پھر نماز پڑھی''

نبی کریم ﷺ کے ارشاد اور حضرت عکرمہؒ کی تفسیر کو پیشِ نظر رکھا جائے تو ان دونوں آیتوں کا مطلب یہ بنتا ہے کہ وہ آدمی فلاح پا گیا جس نے صدقۂ فطر ادا کردیا پھر اپنے رب کا نام یاد کیا یعنی عید الفطر کے لئے جاتے ہوئے تکبیریں پڑھتا رہا اور پھر نمازِ عید ادا کی۔

(102) الاعلیٰ 14،15

(103) ابن خذیمہ، نیل الاوطار 2/4/184

امام بغویؒ نے اپنی تفسیر ''معالم التنزیل'' میں بھی اس آیت کے بارے میں صحابہ کرامؓ اور دیگر مفسرین سے یہی مفہوم نقل کیا ہے کہ حضرت ابوسعیدؓ اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور ابوالعالیہؒ وابن سیرینؒ نے بھی ''قَدْ أَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى'' سے صدقۂ فطر کی ادائیگی مراد لی ہے۔

بخاری و مسلم میں ایک اعرابی کا واقعہ مذکور ہے جس میں وہ نبی اکرم ﷺ کی مجلس میں تمام فرائض کی پابندی سے ادائیگی کا عہد کرکے نکلتا ہے تو نبی اکرم ﷺ اس کے بارے میں فرماتے ہیں:

أَفْلَحَ ...

''اگر اس نے اپنے عہد کو سچا کر دکھایا تو فلاح پا گیا''۔

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ فتح الباری شرح صحیح بخاری میں فرماتے ہیں کہ صحیحین میں اُس اعرابی کے فلاح پا جانے کا ثبوت موجود ہے جو صرف فرائض پابندی سے ادا کرے اور قَدْ أَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى میں بھی فلاح کا ذکر ہے۔ یہ بات بھی ثابت ہوچکی ہے کہ یہ آیت صدقۂ فطر کے بارے میں نازل ہوئی ہے لہٰذا معلوم ہوا کہ صدقۂ فطر بھی فرض ہے (104)۔

صدقۂ فطر کی فرضیت کی دلیل حدیثِ شریف میں بھی موجود ہے چنانچہ بخاری و مسلم میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے:

فَرَضَ ... اللّٰهِ (ﷺ) زَكٰوةَ الْفِطْرِ

''اللہ کے رسول ﷺ نے صدقۂ فطر فرض کیا ہے''۔ (105)

(104) فتاویٰ علمائے حدیث 7/119، نیل الاوطار حوالہ سابقہ۔

(105) حدیث متفق علیه : بخاری 1503، مسلم 984

صدقہ فطر کی حکمت

صدقۂ فطر کی ادائیگی میں حکمت کیا ہے؟

اس سلسلے میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ابوداوٗدشریف میں ایک حدیث ہے:

فَرَضَ رَسُولُ اللّٰهِ (ﷺ) زَكَاةَ الْفِطْرِ طُهْرَةً لِلصِّيَامِ مِنَ اللَّغْوِ وَالرَّفَثِ وَطُعْمَةً لِلْمَسَاكِيْنِ

''نبی اکرم ﷺ نے صدقۂ فطر فرض فرمایا تاکہ روزہ دار سے روزہ کی حالت میں جوکوئی فضول و نازیبا بات سرزد ہوگئی ہو وہ اُس سے پاک ہوجائے اور مسکینوں کو کھانا میسر آجائے''۔(106)

صدقہ فطر کی حکمت ہی یہ بتائی گئی ہے کہ روزے دار کی کوتاہیوں سے طہارت کے ساتھ ساتھ فقراء ومساکین کے لئے اچھے کھانے کا انتظام ہوجائے اور وہ بھی عام مسلمانوں کی عید کی خوشیوں میں شرکت کرسکیں۔

فطرانہ کس پر؟

صدقۂ فطر صرف انہی لوگوں پر واجب نہیں جنہوں نے روزے رکھے ہوں بلکہ جمہور ائمہ کے نزدیک یہ تمام مسلمانوں پر واجب ہے، کوئی چھوٹا ہو یا بڑا، مرد ہو یا عورت، آزاد ہو یا غلام، جیسا کہ بخاری ومسلم میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے:

....

(106) حدیث حسن: صحیح الترغیب1085، صحیح الجامع3570

(107) حدیث صحیح: بخاری1504، مسلم984

فَرَضَ رَسُولُ اللّٰهِ (ﷺ) زَكَاةَ الْفِطْرِ صَاعًا مِنْ تَمْرٍ أَوْ صَاعًا مِنْ شَعِيرٍ عَلَى الْعَبْدِ وَالْحُرِّ وَالذَّكَرِ وَالْأُنْثَى وَالصَّغِيرِ وَالْكَبِيرِ مِنَ الْمُسْلِمِينَ

''نبی ﷺ نے کھجور کا ایک صاع صدقۂ فطر کے طور پر ہر غلام وآزاد، مرد و زن اور چھوٹے بڑے مسلمان پر فرض کیا ہے''۔(107)

حضرت ابوسعیدؓ سے مروی ایک اور ارشاد ہے:

كُنَّا نُخْرِجُ زَكَاةَ الْفِطْرِ صَاعًا مِنْ طَعَامٍ أَوْ صَاعًا مِنْ شَعِيرٍ أَوْ صَاعًا مِنْ تَمْرٍ أَوْ صَاعًا مِنْ أَقِطٍ أَوْ صَاعًا مِنْ زَبِيبٍ

''ہم ایک صاع کھانا یا ایک صاع جَو یا ایک صاع پنیر یا ایک صاع کھجور یا ایک صاع کشمش (خشک انگور یا منقہ) صدقۂ فطر میں دیا کرتے تھے''۔(108)

صدقۂ فطر نکالنے کا حکم چونکہ عام ہے، اس میں تمام مسلمان برابر ہیں، چاہے کوئی مالدار ہو یا فقیر لہٰذا تنگدست کو بھی صدقہ نکالنا چاہئے۔ امام شعبیؒ، عطاءؒ، ابن سیرینؒ، زہریؒ، عبداللہ بن مبارکؒ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور احمد بن حنبلؒ کا یہی مسلک ہے۔ مسند امام احمد میں حضرت ابوہریرہؓ سے بھی ایک روایت ہے کہ تنگدست بھی صدقہ دے(109)۔

مالکیہ کے نزدیک تو قرضہ لے کر بھی صدقہ دینا ہی چاہئے اور حنبلی وشافعی فقہاء کے نزدیک اگر کسی کے پاس عید کے ایک دن اور رات کی خوراک سے فاضل غلہ موجود ہوتو اس کے لئے صدقۂ فطر ادا کرنا ضروری ہے(110)۔

....

(108) حدیث متفق علیه: بخاری1506، مسلم985

(109) الفتح الربانی9/140

(110) المغنی3/67

امام ابوحنیفہؒ نے اس شخص کے لئے صدقہ ضروری قرار دیا ہے جس کے پاس زکاۃ نکالنے کا نصاب یعنی ساڑھے 52 تولے چاندی (یا اس کی موجودہ قیمت کے برابر رقم) موجود ہو البتہ متاخرین احناف کے نزدیک بھی ساڑھے 52 تولے چاندی (نصابِ زکاۃ) کی مالیت سے زائد گھریلو سامان رکھنے والے مسلمان پر صدقۂ فطر واجب ہے چاہے اس پر زکاۃ فرض نہ بھی ہوئی ہو(111) لیکن دوسرے تمام ائمہ وفقہاء کے نزدیک صدقۂ فطر کے لئے کسی کا صاحبِ نصاب ہونا اس لئے ضروری نہیں کہ یہ صدقہ ایک بدنی صدقہ ہے، مال کا صدقہ یعنی زکاۃ نہیں تو گویا مال کے صدقہ یا سالانہ زکاۃ کیلئے تو نصاب شرط ہے مگر اس صدقۂ فطر کے لئے نصاب کی شرط ضروری نہیں لہٰذا ہر کسی کے لئے صدقۂ فطر ادا کرنا ضروری ہے(112)۔

وہ بچہ جو عید کی رات پیدا ہوجائے اس کے بارے میں ائمہ کی 2 آراء ہیں۔امام ثوریؒ، احمدؒ، اسحاقؒ، قولِ جدید میں امام شافعیؒ اور ایک روایت میں امام مالکؒ کے نزدیک اُس بچے کا فطرانہ ادا کرنا واجب نہیں جبکہ امام ابوحنیفہؒ، لیثؒ، قولِ قدیم میں امام شافعیؒ اور ایک روایت میں امام مالکؒ کے نزدیک اُس بچے کا فطرانہ ادا کرنا بھی واجب ہے۔اس اختلاف کی وجہ یہ ہے کہ فریقِ اوّل کے نزدیک فطرانے کے وجوب کا وقت رمضان کے آخری دن کا غروبِ آفتاب ہے جبکہ فریقِ ثانی کے نزدیک وقتِ وجوب یومِ عید کا طلوعِ فجر ہے(113)۔ بہر حال اگر کسی کے یہاں ایسی صورتِ حال پیدا ہوجائے تو فطرانہ ادا

(111) مراقی الفلاح، فتاویٰ قاضی خان، درمختار بحوالہ جنگ لاہور۔اشاعتِ خصوصی جمعۃ الوداع 24 رمضان 1407ھ

(112) نیل الاوطار 2/4/185

(113) فقہ السنہ 1/414

کر دینے میں ہی احتیاط ہے۔وجوباً نہ سہی نفلی ہی ہوجائے گا اور اختلاف سے بھی نکل جائے گا۔

غلے کی تمام اقسام سے صدقۂ فطر ادا کیا جاسکتا ہے اور جائز ہے لیکن کس چیز کا صدقہ نکالنا افضل ہے؟ اس سلسلہ میں ائمہ کرامؒ کی مختلف آراء ہیں۔امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ہر اُس چیز سے صدقہ نکالنا افضل ہے جو سب سے قیمتی اور مہنگی ہو۔امام شافعیؒ کے نزدیک گندم سے صدقۂ فطر نکالنا افضل ہے چاہے وہ دوسری اشیاء سے مہنگی ہو یا سستی اور امام مالکؒ وامام احمدؒ کے نزدیک کھجور کا صدقہ نکالنا سب سے افضل ہے(114)۔

یہ اختلافِ رائے صرف فضیلت میں ہے، جواز وعدمِ جواز میں نہیں بلکہ تمام ائمہ کا اس پر اتفاق ہے کہ جس چیز سے بھی صدقۂ فطر نکالنا چاہے، نکال سکتا ہے۔

آیا اِن اشیاء کی قیمت نقدی کی شکل میں بطورِ فطرانہ ادا کی جاسکتی ہے یا نہیں؟ اس مسئلہ میں ائمہ کرامؒ کی رائے کا اختلاف افضل وغیر افضل کا نہیں بلکہ جائز وناجائز کا ہے چنانچہ حنابلہ کے نزدیک تو صرف وہی چیزیں دینا افضل وضروری ہے جن کا نصوصِ حدیث میں ذکر ہے، اگر اُن چیزوں کے ہوتے ہوئے کوئی دوسری چیز دے تو وہ بھی جائز نہیں اور نہ ہی وہ قیمت نکالنے کو جائز سمجھتے ہیں۔مالکیہ کے نزدیک بھی قیمت نکالنا جائز نہیں لیکن

(114) الفتح الربانی 9/147

اگر کوئی نقدی کی شکل میں قیمت ہی نکالتا ہے تو وہ کفایت کرجائیگی مگر مکروہ ہے۔ شافعی فقہاء بھی قیمت نکالنے کو جائز قرار نہیں دیتے البتہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک نقدی کی شکل میں غلے کی قیمت بھی دی جاسکتی ہے(115)۔

برصغیر کے ایک جید عالم حافظ عبداللہ محدث روپڑیؒ سے بھی سوال کیا گیا کہ صدقۂ فطر میں نقد قیمت درست ہے یا نہیں؟ اگر درست ہے تو آپ کے پاس اس کی دلیل کیا ہے؟

تو انہوں نے اپنے ہفت روزہ ''تنظیم اہلحدیث'' میں جوفتویٰ شائع کیا اس کا خلاصہ یہ ہے کہ فطرانہ میں قیمت دینے میں کوئی حرج نہیں اور استدلال کے لئے بخاری شریف، کتاب الزکاۃ کے ایک ترجمۃ الباب میں مذکور حضرت معاذؓ کا اہلِ یمن کو یہ کہنا پیش کیا ہے:

ائْتُونِي بِعَرْضٍ ثِيَابٍ خَمِيصٍ أَوْ لَبِيسٍ فِي الصَّدَقَةِ مَكَانَ الشَّعِيرِ وَالذُّرَةِ أَهْوَنُ عَلَيْكُمْ وَخَيْرٌ لِأَصْحَابِ النَّبِيِّ ﷺ بِالْمَدِينَةِ

''میرے پاس جو اور مکئی کی بجائے کپڑے کی چادریں یا لباس لاؤ، یہ تمہارے لئے آسان ہے اور مدینہ میں اصحابِ نبی ﷺ کیلئے یہی بہتر ہوگا''۔

اس روایت میں اگرچہ انقطاع ہے لیکن امام بخاریؒ جیسے عظیم محدث کا اِس سے استدلال کرنا اِس کو تقویت دیتا ہے۔اس سے معلوم ہوتا ہے کہ صدقات میں مصرف یعنی فقراء ومساکین کی حاجت کو مدِ نظر رکھتے ہوئے قیمت ادا کرنے میں کوئی حرج نہیں اور یہ روایت اگرچہ زکاۃ کے بارے میں ہے لیکن جیسے زکاۃ میں اصل کی بجائے اشیائے ضرورت کی طرف عدول جائز ہے ایسے ہی صدقۂ فطر میں بھی جائز اور فرق کی کوئی وجہ نہیں(116)۔

(115) الفقہ علیٰ المذاہب الاربعۃ 1/627
(116) فتاویٰ علمائے حدیث 7/2049

ادائیگی کا وقت

صدقۂ فطر کی ادائیگی کب کی جائے؟ اس سلسلہ میں بخاری ومسلم میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے:

......وَأَمَرَ بِهَا أَنْ تُؤَدَّى قَبْلَ خُرُوجِ النَّاسِ إِلَى الصَّلٰوةِ

''(نبی ﷺ نے صدقۂ فطر کے بارے میں) حکم فرمایا کہ لوگوں کے نمازِ عید کی طرف نکلنے سے پہلے پہلے ادا کردیا جائے''۔(117)

ابوداؤد، ابن ماجہ اور دارقطنی میں ہے:

مَنْ أَدَّاهَا قَبْلَ الصَّلٰوةِ فَهِيَ زَكٰوةٌ مَقْبُولَةٌ وَمَنْ أَدَّاهَا بَعْدَ الصَّلٰوةِ فَهِيَ صَدَقَةٌ مِنَ الصَّدَقَاتِ

''جس نے عید کی نماز سے قبل فطرانہ ادا کیا تو یہ قبول ہونے والی زکاۃ ہے اور جس نے یہ صدقہ نماز کے بعد ادا کیا تو وہ محض صدقوں میں سے ایک صدقہ ہے''۔(118)

اس حدیث سے واضح ہوگیا کہ فطرانہ نماز سے پہلے ہی ادا کرنا ضروری ہے اور ائمہ اربعہ سمیت جمہور کے نزدیک عید کے بعد فطرانہ ادا کرنا اگرچہ صحیح ہے لیکن مکروہ ہے۔ علامہ ابن حزمؒ کے نزدیک فطرانہ عید سے قبل ادا کرنا واجب اور بعد میں ادا کرنا حرام ہے اور امام شوکانیؒ نے بھی اِسی مسلک کی تائید کی ہے۔(119)

(117) متفق علیہ: مشکوٰۃ 1/570
(118) حسنه الالبانی فی الارواء 3/332
(119) الفتح الربانی 9/152، نیل الاوطار 2/4/182

ایک حدیث میں ہے:

شَهْرُ رَمَضَانَ مُعَلَّقٌ بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ وَلَا يُرْفَعُ إِلَّا بِزَكَاةِ الْفِطْرِ

''ماہِ رمضان کا روزہ زمین وآسمان کے مابین اٹکا رہتا ہے اور صدقۂ فطر کے ساتھ اوپر اٹھایا (قبول کیا) جاتا ہے''۔(120)

لٰہذا ہر آدمی کو کوشش کرنا چاہئے کہ نہ صرف عید سے قبل بلکہ عید سے ایک دو دن قبل ہی صدقہ فطر ادا کردے کیونکہ بخاری شریف میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے:

كَانُوا يُعْطُونَ قَبْلَ الْفِطْرِ بِيَوْمٍ أَوْ يَوْمَيْنِ

''صحابہ کرامؓ عیدالفطر سے ایک یا دو دن قبل ہی صدقۂ فطر ادا کردیا کرتے تھے''(121)

حضرت امام بخاریؒ کے نزدیک عید سے ایک دو دن قبل صدقہ جمع کرنا جائز ہے، فقراء کو دینا جائز نہیں۔ حضرت ابن عمرؓ کی روایت میں جو الفاظ ہیں کہ صحابہ کرامؓ عید سے ایک دو دن پہلے صدقہ دے دیا کرتے تھے۔ اس کے بارے میں ان کا کہنا ہے کہ لوگ پیشگی صدقہ جمع کروادیا کرتے تھے، فقراء کو نہیں دیتے تھے(122)۔

اس سے یہ بات واضح ہوگئی کہ صدقۂ فطر اجتماعی طور پر ادا کرکے ایک جگہ جمع کرنا ہی مسنون طریقہ ہے اور زیادہ مفیدِ مطلب بھی ہے تاکہ جمع شدہ کل فطرانے سے مستحقین کو

....

(120) حدیث غریب، جید الاسناد: الترغیب والترہیب 2/152

(121) ارواء الغلیل 3/334

(122) تحفۃ الاحوذی 3/352، ارواء الغلیل 3/335

ان کی حسبِ ضرورت دیا جاسکے۔ انفرادی طور پر صدقہ نکالنے میں اس بات کا احتمال وامکان بھی رہتا ہے کہ کسی محتاج کے پاس تو بہت سارا صدقہ جمع ہوجائے اور کوئی بالکل ہی محروم رہ جائے۔

فطرانے کی حکمت اور غرض وغایت حدیث میں ''طُعمةً لّلمساكين'' آئی ہے کہ فقیروں، مسکینوں اور محتاجوں کو عید کے دن بافراغت کھانا اور کپڑا مل جائے۔ اس حکمت کو پیشِ نظر رکھا جائے تو ہمارے اُن لوگوں کا عمل سراسر غیر مفید ثابت ہوتا ہے جو نمازِ عید کے لئے نکلتے ہوئے راستے میں پیشہ ور قسم کے گداگر بچوں اور بچیوں وغیرہ کے ہاتھوں میں فطرانہ تھماتے جاتے ہیں۔ اگر ان لوگوں کو واقعی مستحق مان لیا جائے تو بتائیں کہ اس فطرانے کو عید کے دن وہ کیسے استعمال میں لائیں گے۔ اگر یہی فطرانہ عید سے ایک دو دن قبل یا کم از کم چاندرات کو مستحق تک پہنچادیا جائے تو نقدی کی شکل میں وہ اشیائے صرف خرید سکتا ہے اور غلے کی شکل میں بھی اُسے بیچ کر وہ اپنی ضرورت کی اشیائے خورد ونوش اور کپڑا خرید سکتا ہے۔ اس طرح صدقے کی اصل حکمت بھی سامنے آجاتی ہے۔

اس سے بھی بہتر طریقہ فطرانہ کی اجتماعی ادائیگی ہے اور ایک جگہ جمع شدہ غلے اور نقدی کو فطرانہ جمع کرنے والے ذمہ داران یا رفاہی تنظیموں کے اہلکار پہلے تو ان مستحقین میں تقسیم کردیں جو مقامی ہیں اور اگر مقامی فقراء سے کچھ بچ جائے تو وہ دیگر مصارف کے لئے بھی بھیجا جاسکے جیسے غریب لک کے دینی مدارس، غریب افراد اور مجاہدین فی سبیل اللہ ہیں کیونکہ ضرورت کی شکل میں مقامی فقراء کو صدقۂ فطر وزکاۃ دینے کی افضلیت مسلم ہونے کے ساتھ ساتھ تمام ائمہ وفقہاء اور اہلِ علم کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اگر اہلِ بلد اموالِ زکاۃ

وصدقات سے مستغنی ہو جائیں تو پھر دوسرے علاقوں یا ملکوں میں بھی بھیجا جاسکتا ہے(123)۔

اجتماعی شکل میں زکاۃ وصدقات ادا کردینے پر ادا کرنے والے فریضہ کی ادائیگی سے سبکدوش ہوگئے ،اب اُن صدقہ جمع کرنے والے رضاکاروں کی ذمہ داری ہے کہ حقیقی مستحق افراد کو تلاش کرکے وہ اموال صرف کردیں۔انفرادی ادائیگی کی شکل میں ہر شخص کی ذمہ داری ہے کہ فطرانہ کی ادائیگی میں فقراء ومساکین کو تلاش کرے اور مستحق لوگوں تک پہنچائے۔

محض آسانی کی خاطر عادی اور پیشہ ور قسم کے گداگروں کو صدقہ تھمادینا مناسب نہیں کیونکہ دانہ گلِ گلزار تبھی بنتا ہے جب اُسے خاک میں پھینکا جائے۔اگر پتھریلی وبنجر زمین میں ڈال کر کونپلوں کا انتظار کیا جائے تو یہ ایک حماقت تو ہوسکتی ہے، دانشمندی نہیں۔

عرب علماء کا فتویٰ
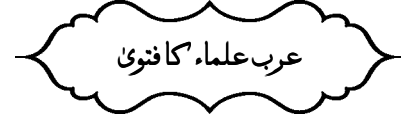
سعودی عرب کے معروف اخبار ''عکاظ'' کے جمعرات 2 ستمبر 2010ء کی اشاعت میں یہ سوال شائع کیا گیا کہ رمضان کے آخری عشرہ میں مسلمان زکاۃ الفطر نکالتے ہیں،اس کے ساتھ ہی سوال ابھرتا ہے کہ اس زکاۃ کے سب سے زیادہ مستحق کون لوگ ہیں؟ آیا اس زکاۃ میں ان کا حق ہے جو ملک کے اندر مقیم ہیں یا ملک سے باہر مقیم مستحقین کو بھی یہ زکاۃ دی جاسکتی ہے۔آج کل پاکستان میں سیلاب آیا ہوا ہے جس سے بہت سے لوگ متاثر ہوئے ہیں،کیا ہم اپنی زکاۃ الفطر پاکستان میں سیلاب سے متاثرہ افراد کو دے سکتے ہیں؟

اس سوال کا جواب سعودی عرب کے سابق مفتی شیخ عبدالعزیز بن بازؒ، شیخ ڈاکٹر

(123) فقه السنّه 1/408،الفتح الربانی 9/46 بلکہ میرا اپنا خیال ہے کہ زکاۃ الفطر دینے والے مقامی افراد کی زکاۃ مقامی مستحقین کی حاجت کیلئے کافی بلکہ زیادہ ہے۔

یوسف القرضاوی اور طائف یونیورسٹی میں اسلامیات کے پروفیسر ڈاکٹر جمیل اللویحق کے فتاویٰ کے اقتباسات کی روشنی میں دیا گیا۔

تینوں جلیل القدر علماء نے دلائل کی روشنی میں اس بات کی اجازت دی ہے کہ ایک ملک میں مقیم افراد اپنی زکاۃ الفطر ضرورت کے وقت کسی دوسرے ملک میں مقیم آفت زدہ افراد کو روانہ کرسکتے ہیں بلکہ یہ آفت زدہ افراد زکاۃ الفطر کے زیادہ مستحق ہوجاتے ہیں(124)۔

(124) عکاظ 2 ستمبر 2010،صفحہ 15

ضمیمہ

(3)

قربانی

صدقات وانفاق کے ضمن میں قربانی بھی شامل ہے۔اس کے مختلف فقہی اور ٹیکنیکل مسائل سے اجتناب کرتے ہوئے اس کی فضیلت اور اہمیت پر روشنی ڈالی جارہی ہے جو اس کتاب کے قاری کیلئے فائدے سے خالی نہیں ہوگی۔(125)

قرآن وسنت کی رو سے ماہ ذوالحجہ بڑی حرمت وفضیلت والامہینہ ہے۔اسی ماہ کی 10 تاریخ ''یوم نحر وقربانی'' اور''عیدالاضحیٰ'' کے نام سے معروف ہے۔اِسی عید کو قربانیوں کی وجہ سے ''عیدِقربان'' بھی کہا جاتا ہے۔اسی دن کو''یوم حج اکبر'' بھی قرار دیا گیا ہے۔عید کے دن کو ہی''یوم حج اکبر'' قرار دینے سے متعلق حضرت ابوہریرہؓ سے مروی حدیث کو امام بخاری نے تعلیقاً اور ابوداؤد نے موصولاً بیان کیا ہے جس میں ہے کہ:

''حج اکبر کا دن قربانی کا دن ہے اور''حج اکبر'' حج ہے''۔

اور ایک روایت میں ہے''لوگوں کے حج اصغر کہنے کے مقابلہ میں اسے''حج اکبر'' کہا گیا''۔(126)

....

(125) اس مضمون کا بیشتر حصہ''مسائل عیدین وقربانی' از شیخ محمد منیر قمر سے تصرف کے ساتھ لیا گیا ہے۔

(126) بخاری تعلیقاً 3/574، ابوداؤد 1945، ابن ماجہ 3058، حاکم 2/331 اور بیہقی موصولاً 5/139

صحیح مسلم میں ابن شہاب سے مروی ہے کہ حمید بن عبدالرحمٰن کہا کرتے تھے:

''حضرت ابوہریرہؓ سے مروی (مذکورہ سابقہ) حدیث کی پر م نحر ہی (م حج اکبر) ہے''۔

قرآن کریم میں ارشادالٰہی ہے:

﴿ وَأَذَانٌ مِّـ اَللہ ورسولہ لَى النَّاسِ يَوْمَ الْحَجِّ الْأَكْبَرِ أَنَّ اللَّهَ ءٌ م ِّنَ الْمُشْ ُ رِكِينَ وَرَسُولُهُ ﴾

''اطلاعِ عام ہے اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف سے حج اکبر کے دن تمام لوگوں کیلئے کہ اللہ مشرکین سے بری الذمہ ہے اور اس کا رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) بھی''۔(127)

اس آیت میں مذکور''یوم حج اکبر'' کی وضاحت مذکورہ احادیث اور دیگر احادیث سے ہوجاتی ہے کہ وہ''یوم نحر'' ہے(128)۔

اس عید کے دن کا محبوب ترین عمل قربانی کے جانوروں کا خون بہانا ہے۔قربانی کی اہمیت کا اندازہ تو اسی بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ خود اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں اس کا حکم دیا ہے، ارشاد الٰہی ہے:

﴿ فَصَ ّ لِرَبِّكَ وَا ْ ﴾

''پس تم اپنے رب ہی کے لئے نماز پڑھو اور قربانی کرو''۔(129)

اس آیت کے لفظ''نحر'' کے کئی معنی بیان کئے گئے ہیں جنہیں ذکر کرنے کے بعد امام

....

(127) التوبہ 3

(128) فتح الباری 7/317، مجموع الفتاویٰ لابن تیمیہ 25/288، مذکورہ وضاحت سے اس نظریہ کی حقیقت بھی کھل کر سامنے آگئی کہ جو یہ کہا جاتا ہے کہ''یوم عرفہ'' جمعہ کے دن آئے اسے''حج اکبر'' کہا جاتا ہے اور اس کا ثواب عام حج سے 70 گنا زیادہ ہے۔ یہ درست نہیں کیونکہ''حج اکبر'' تو''یوم نحر'' کو کہا گیا ہے۔اسی بنا پر ہی اس عید کو بڑی عید بھی کہا جاتا ہے۔

(129) الکوثر 2

ابن کثیرؒ نے اسی معنی کو ترجیح دی ہے کہ اس سے مراد قربانیوں کا ذبح کرنا ہے۔(130)

اس تفصیل سے قربانی کی فضیلت واہمیت تو واضح ہوجاتی ہے جبکہ متعدد احادیث میں بھی فضیلت وارد ہوئی ہے مگر وہ احادیث ضعیف السند ہیں حتیٰ کہ امام ابن العربیؒ نے ترمذی شریف کی شرح عارضة الاحوذی میں لکھا ہے:

''قربانی کی فضیلت کے بارے میں کوئی ایک حدیث بھی صحیح نہیں''۔(131)

ترمذی وابن ماجہ میں ہے:

''قربانی کے دن بنی آدم کے اعمال میں سے اللہ تعالیٰ کو اتنا زیادہ محبوب عمل کوئی نہیں جتنا قربانی کے جانوروں کا خون بہانا ہے۔ قیامت کے دن (نامہ اعمال میں درج کرنے کے لئے) سینگوں، بالوں اور کھروں سمیت لایا جائے گا اور قربانی کے اس عمل کو اللہ تعالیٰ قطرۂ خون کے زمین پر گرنے سے پہلے ہی شرف قبولیت سے نواز دیتا ہے لہٰذا تم خوشی خوشی قربانی کیا کرو''(132)

ابن ماجہ ومسند احمد میں ہے:

''یہ قربانی تمہارے باپ (حضرت) ابراہیمؑ کی سنت ہے''۔

....

(130) تفسیر القرآن، از علامہ ابن کثیرؒ 5/711

(131) بحوالہ المرعاۃ 3/363

(132) (ترمذی 1493، ابن ماجہ 3126، ابن حبان "المجروحین" 3/151، حاکم 4/221، بیہقی 9/361، بغوی 124، واضح رہے کہ یہ حدیث ضعیف ہے البتہ اس حدیث کے پہلے جملے کا ایک شاہد طبرانی کبیر 11/32 میں حضرت ابن عباسؓ کی حدیث میں ہے ''اس دن خون بہانے سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ کے یہاں اور کوئی عمل محبوب نہیں الا یہ کہ ٹوٹی ہوئی قرابت کو جوڑا جائے'' مگر یہ حدیث شاہد بننے کے قابل نہیں کیونکہ اس کی سند میں راوی ضعیف ہیں۔

اسی حدیث میں ہے:

''ہر بال کے بدلے میں ایک نیکی ملتی ہے اور اون کے ہر ریشے کے بدلے میں بھی نیکی ملتی ہے''۔(133)

قربانی کے سنت ابراہیمی ہونے کا ثبوت تو خود قرآن کریم میں مذکور ہے، ارشاد الٰہی ہے:

﴿ وَفَدَيْنَاهُ بِذِبْحٍ عَظِيمٍ ﴾

''اور ہم نے ایک بڑی قربانی فدیئے میں دے کر اس بچے (اسماعیل) کو چھڑا لیا''۔(134)

دارقطنی میں ہے:

''عید کے دن کسی نیک کام میں چاندی خرچ کرنا بھی اتنا کارِ ثواب نہیں جتنا کہ خون بہانا ہے''۔(135)

نبی اکرم ﷺ سفر وحضر ہر حالت میں ہر سال قربانی دیا کرتے تھے۔ ترمذی شریف میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں:

''نبی ﷺ 10 سال مدینہ منورہ میں مقیم رہے اور قربانی دیتے رہے''۔(136)

....

(133) (ابن ماجہ 3127، مسند احمد 4/368، ابن حبان "المجروحین" 3/55، طبرانی ''کبیر'' 5/197، حاکم 2/289، واضح رہے کہ اس کی سند سخت ضعیف ہے۔

(134) الصافات 107

(135) دارقطنی 4/282، ابن حبان "المجروحین" 1/101، طبرانی ''المعجم الکبیر'' 11/17، ابن عدی 1/228، بیہقی 9/36 واضح رہے کہ اس کی سند ابراہیم بن یزید الخوزی کی وجہ سے یہ حدیث سخت ضعیف ہے۔

(136) ترمذی 1507، اس حدیث کو امام ترمذی نے تو حسن کہا ہے مگر اس کی سند میں حجاج بن ارطاۃ ہے اور یہ مدلس ہے۔ اس وجہ سے اس حدیث کی سند کو ضعیف شمار کیا جاتا ہے۔

آپ ﷺ کے سفر کے دوران قربانی کرنے کے بارے میں تو ایک صحیح حدیث ترمذی ونسائی اور ابن ماجہ میں حضرت ابن عباسؓ سے بھی مروی ہے جس میں وہ فرماتے ہیں:

''ہم نبی ﷺ کے ساتھ ایک سفر میں تھے کہ عیدالاضحیٰ آ گئی تو ہم ایک گائے میں 7 آدمی اور ایک اونٹ میں 10 آدمی شریک ہوئے''۔(137)

ان احادیث کے مجموعی مواد سے بھی قربانی کی اہمیت وفضیلت واضح ہو جاتی ہے۔

قربانی کی شرعی حیثیت

قربانی واجب ہے یا سنت؟ اس سلسلے میں سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ الفاظ حدیث نے قربانی کی اصل حقیقت کی طرف اشارہ کر دیا ہے کہ یہ کوئی معمولی کام یا محض گوشت خوری کا ایک ذریعہ نہیں بلکہ یہ تو جدالانبیاء حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ایک عظیم یادگار ہے۔ اس یادگار کی اہمیت کا اندازہ کرنا ہو تو قصص الانبیاء پر مشتمل کوئی معتبر کتاب پڑھ کر دیکھیں۔ تفسیر قرآن میں ''ذبح عظیم'' اور احادیث رسول اللہ ﷺ میں اس یادگار واقعہ کا مطالعہ کر کے دیکھیں اور اگر زیادہ نہیں تو کم از کم قرآن کریم کا باترجمہ مطالعہ ہی کر لیں۔ آپ کو ان قربانیوں کی عظمت کا آسانی سے اندازہ ہو جائے گا۔

ان قربانیوں کے سنت ابراہیمیؑ ہونے کے علاوہ یہ ہمارے نبی آخر الزماں ﷺ کی بھی ایسی سنت ہے کہ آپ ﷺ نے سفر وحضر میں ہر سال اس پر عمل فرمایا جو اس بات کا ثبوت ہے کہ یہ سنت موکدہ ہے۔ جمہور اہل علم کا یہی قول ہے، صحابہ کرامؓ، تابعینؒ، ائمہ کرامؒ اور فقہاء ومحدثین کی اکثریت نے بھی اسے سنت ہی قرار دیا ہے۔ امام ابوحنیفہؒ نے

(137) ترمذی 905، 1501، نسائی 7/222، ابن ماجہ 3131

ہر صاحبِ استطاعت کے لئے قربانی کو واجب قرار دیا ہے۔ مشہور محقق علامہ ابن حزمؒ نے لکھا ہے کہ صحابہ کرامؓ میں سے کسی سے بھی یہ ثابت نہیں کہ انہوں نے قربانی کو واجب قرار دیا ہو جبکہ اکثریت سے یہ ثابت ہے کہ یہ غیر واجب ہے لیکن قربانی کے شرائع دینیہ میں سے ایک اہم عبادت اور شعار اسلام ہونے میں کسی کو بھی کوئی اختلاف نہیں(138)۔

جو شخص قربانی کا جانور خریدنے یا اونٹ، گائے میں حصہ ڈالنے کی طاقت رکھتا ہوا اس کے باوجود بھی اس سنت ابراہیمی وسنت مصطفوی کا احیا نہیں کرتا، اس پر نبی اکرم ﷺ نے سخت وعید فرمائی ہے۔ آپ ﷺ کے عتابِ شدید کا اندازہ اس حدیث سے ہوتا ہے جو ابن ماجہ ومسند احمد میں حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے جس میں ارشاد نبوی ہے:

''جو شخص قربانی کی طاقت رکھتا ہو پھر بھی نہ کرے وہ ہماری عیدگاہ کے قریب بھی نہ پھٹکے''(139)۔

گویا جو شخص طاقت کے باوجود قربانی جیسے عمل اور شعار اسلام سے غفلت وسستی اختیار کرتا ہے اسے مسلمانوں کی عیدگاہ میں جانے اور نماز عید ادا کرنے سے کیا حاصل ہوگا۔

اس حدیث شریف کو سامنے رکھ کر غور فرمائیں کہ کس قدر بدنصیب ہیں وہ لوگ جو شادی بیاہ اور پیدائش واموات کے موقعوں، قومی وملکی رسموں اور علاقائی رواجوں پر تو خلافِ شرع پانی کی طرح پیسہ بہائے جاتے ہیں لیکن سال کے بعد جب عیدالاضحیٰ آتی

(138) نیل الاوطار 5/109، فتح الربانی وشرحہ 13/60، المرعاۃ 3/349

(139) ابن ماجہ 3123، مسند احمد 2/231، دارقطنی 4/285، صحیح الجامع 6322

ہے تو قربانی کے لئے ایک بکرا یا مینڈھا خریدنے یا اونٹ گائے میں حصہ دار بننے کی توفیق نہیں ہوتی۔

گھر والوں کی شرکت

غیر حاجیوں کے لئے پورے گھر والوں کی طرف سے صرف ایک ہی قربانی کر لینا کافی ہے۔ اپنی مرضی سے کوئی زیادہ قربانیاں دے تو زیادہ ثواب ہے چنانچہ ترمذی وابن ماجہ میں حضرت عطاء بن یسارؒ سے مروی ہے کہ میں نے میزبان رسول ﷺ، حضرت ابوایوب انصاریؓ سے پوچھا:

''نبی ﷺ کے عہد مسعود میں تم قربانیاں کیسے کیا کرتے تھے؟''۔

تو انہوں نے جواب دیا:

''نبی ﷺ کے زمانے میں ایک آدمی اپنی اور اپنے سارے گھر والوں کی طرف سے ایک بکری قربانی دیا کرتا تھا''۔(140)

اس کی تائید سنن اربعہ اور مسند احمد کی ایک اور حدیث سے بھی ہوتی ہے جس میں ہے:

''ہر گھر والوں پر ہر سال ایک جانور کی قربانی ہے''۔(141)

انہی احادیث کی پر جمہور اہل علم کے نزدیک سارے گھر والوں کی طرف سے صرف ایک قربانی ہی کافی ہے۔(142)

امام شوکانیؒ نے لکھا ہے کہ سنت نبوی نے فیصلہ کر دیا ہے کہ ایک قربانی تمام گھر والوں کی

(140) ترمذی1505،ابن ماجہ3147،بیہقی9/268

(141) ابوداؤد2788،ترمذی1518،نسائی5/167

(142) الفتح الربانی کی شرح بلوغ الامانی13/66

طرف سے کفایت کر جاتی ہے چاہے گھر والوں کی تعداد ایک سو یا اس سے بھی زیادہ ہے۔(143)

ایک جانور میں شرکت

اگر کسی میں قربانی کے لئے مستقل ایک جانور خریدنے کی طاقت نہ ہو تو ایک گائے میں 7 آدمی مل کر خرید لیں، وہ ان 7 آدمیوں اور ان کے تمام گھر والوں کی طرف سے بھی کفایت کر جائے گی۔ گائے کے معاملہ میں شراکت کا حکم منیٰ میں موجود حاجیوں کی قربانی (ہدی) اور دوسرے ممالک اور شہروں کے لوگوں کی قربانی اس اعتبار سے سب کے لئے برابر ہے کہ اس میں 7 افراد منیٰ میں اور 7 گھروں کے تمام افراد غیر منیٰ میں شریک ہو سکتے ہیں لیکن اونٹ اگر ہدی کے لئے ہو تو صرف 7 ہی افراد کے لئے اور اگر عام قربانی کے لئے ہو تو 10 گھروں کے تمام افراد کے لئے کفایت کر جاتا ہے، چنانچہ صحیح مسلم، ابوداؤد اور ترمذی میں ارشاد نبوی ہے:

''گائے 7 افراد کی طرف سے اور اونٹ بھی 7 کی طرف سے''۔(144)

جبکہ ترمذی ونسائی اور ابن ماجہ میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے:

''ہم نبی ﷺ کے ساتھ ایک سفر میں تھے کہ عید الاضحیٰ آ گئی تو ہم ایک گائے میں 7 اور ایک اونٹ میں 10 شریک ہوئے''۔

قربانی کے معاملہ میں تو یہ گنجائش بھی موجود ہے کہ عید کے دن 10 ذوالحجہ کو اتفاق سے کسی کو توفیق نہ ہو سکے تو اگلے دن 11 ذوالحجہ کو کر لے۔ 11 کو بھی نہیں ہو سکی تو 12

(143) نیل الاوطار3/5/112

(144) موطا مالک2/486،مسلم9/66،ابوداؤد2809

ذوالحجہ کو ہی سہی، یہ تین دن تو مشہور ہیں جبکہ نبی اکرم ﷺ کے ارشادات سے تو اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ 13 ذوالحج کو بھی قربانی کی جاسکتی ہے چنانچہ مسند احمد، دارقطنی اور صحیح ابن حبان میں ارشاد نبوی ﷺ ہے:

''ایام تشریق (11، 12، 13 ذوالحجہ بھی سبھی) قربانی کے دن ہیں''۔(145)

حضرت علیؓ سے بھی مروی ہے:

''قربانی کے دن یوم عیدالاضحیٰ اور اس کے 3 دن بعد بھی ہیں''۔

توفیق الٰہی جس کے شامل حال ہو اور وہ اپنی اور اپنے اہل خانہ کی طرف سے قربانی کرنے کا ارادہ رکھتا ہو۔ اس غرض سے وہ کوئی جانور خریدے یا کسی اونٹ گائے میں حصہ ڈالے تو اسے نبی اکرم ﷺ کی فرمائی ہوئی چند ہدایات کا بھی بطور خاص خیال رکھنا چاہئے:

بال اور ناخن نہ کاٹنا:

ان ہدایات نبوی ﷺ میں سے سب سے پہلی بات یہ ہے کہ قربانی کا ارادہ رکھنے والا شخص جب ذوالحجہ کا چاند دیکھ لے یا یہ خبر عام ہوجائے کہ چاند نظر آ گیا ہے۔ اسی رات سے لے کر عید کی نماز پڑھنے اور اپنے جانور کی قربانی کر لینے تک اپنے جسم کے کسی حصہ سے کوئی بال یا ناخن نہ کاٹے کیونکہ صحیح مسلم اور سنن اربعہ میں ارشاد نبوی ﷺ ہے:

''جب تم ذوالحجہ کا چاند دیکھ لو اور تم میں سے کوئی شخص قربانی کا ارادہ بھی رکھتا ہو تو وہ

(145) احمد 4/84، ابن حبان 1008، دارقطنی 4/284

اپنے بال اور ناخن نہ کاٹے''۔(146)

مسلم و ابوداؤد میں یہ الفاظ بھی ہیں:

''وہ اپنے جانور کو ذبح کر لینے تک اپنے بال اور ناخن نہ کاٹے''۔(147)

اس موضوع پر نبی اکرم ﷺ کے ارشادات کے پیش نظر حضرت سعید بن مسیّب، ربیعہ، امام احمد، اسحاق بن راہویہ، داؤد اور امام شافعی رحمہم اللہ اور ان کے بعض اصحاب نے کہا ہے کہ قربانی دینے والے کا چاند دیکھ لینے سے قربانی کر دینے تک کے دوران بال یا ناخن کاٹنا اگرچہ حرام تو نہیں البتہ مکروہ ہے جبکہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک یہ مکروہ نہیں۔

مذکورہ ارشاد نبوی ﷺ کی رو سے مسنون یہی ہے کہ قربانی کرنے والا شخص اپنا جانور ذبح کرنے تک ان امور سے اجتناب کرے، اس طرح تعمیل ارشاد پر اسے ثواب ملے گا جبکہ ابوداؤد و نسائی اور مسند احمد و دارقطنی میں مذکور ایک حدیث سے اس حکم نبوی ﷺ کی تعمیل پر حاصل ہونے والی برکات کا یہاں تک پتہ چلتا ہے کہ اگر کسی شخص میں جانور خرید کر ذبح و قربانی کرنے کی طاقت نہ ہو اور وہ چاند نظر آ جانے سے لے کر قربانیوں کے وقت تک کوئی بال اور ناخن نہ کاٹے تو اللہ تعالیٰ اسے بھی اس کی نیت کی پر قربانی کا ثواب عطا کر دیتا ہے۔ امام حاکم نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے اور علامہ ذہبی نے ان کی موافقت کی ہے(148) البتہ شیخ البانیؒ نے اس کی سند پر کچھ کلام کیا ہے(149)۔

اس حدیث میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک آدمی نے نبی

(146) دارقطنی 4/278، حاکم 4/220، بیہقی 9/266، احمد 6/289

(147) مسلم 13/139، ابوداؤد 2791

(148) بلوغ الامانی شرح الفتح الربانی 13/70

(149) تحقیق المشکوٰۃ 1/422

کریم ﷺ سے پوچھا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ! میرے پاس دودھ دینے والی ایک بکری ہے، کیا میں اس کی قربانی دے دوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

''نہیں، بلکہ اپنے بال، ناخن، مونچھیں کاٹو اور زیرناف کے بال صاف کرو، یہ تمہارے لئے اللہ کے ہاں پوری قربانی کے برابر ہوگا''۔(150)

فوت شدہ کی طرف سے قربانی
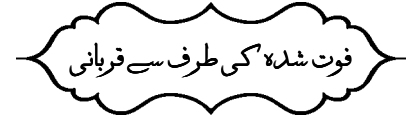
اگر کسی کے والدین فوت ہو چکے ہوں یا وہ کسی دوسرے فوت شدہ عزیز کی طرف سے قربانی کرنا چاہے تو اس کے بارے میں شرعی حکم کیا ہے؟

اس مسئلہ میں اہل علم کی دو رائے ہیں۔ ایک فریق کا کہنا ہے کہ فوت شدگان کی طرف سے قربانی کی جا سکتی ہے۔ ان کا استدلال ایک تو ان احادیث سے ہے جو صحیح مسلم و دیگر میں مذکور ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے دو مینڈھے ذبح کئے، ایک اپنی اور اپنے گھر والوں کی طرف سے اور دوسرا اپنی امت کے لوگوں کی طرف سے (151) اور طریقہ استدلال یہ ہے کہ امت کے لوگوں میں وہ لوگ بھی شامل ہیں جو فوت ہو چکے ہیں لہٰذا فوت شدگان کی طرف سے قربانی کرنا جائز ہوا لیکن حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری میں لکھا ہے کہ یہ نبی اکرم ﷺ کے خصائص میں سے ہے لہٰذا آپ ﷺ کا اپنی امت کی طرف سے قربانی دینا فوت شدگان کی طرف سے قربانی کے جواز کی دلیل نہیں بن سکتا۔(152)

(150) ابوداؤد 2789، نسائی 7/212، ابن حبان 1043

(151) ارواء الغلیل 4/349

(152) بحوالہ ارواء الغلیل 4/354

فوت شدگان کی طرف سے قربانی کے جواز کی دوسری دلیل حضرت علیؓ کا عمل ہے چنانچہ ابوداؤد و ترمذی میں حضرت حنشؒ سے مروی ہے کہ میں نے حضرت علیؓ کو دو مینڈھے قربانی کرتے دیکھا اور پوچھا کہ یہ کیا ہے؟ تو انہوں نے فرمایا:

''مجھے نبی ﷺ نے وصیت فرمائی تھی کہ میں آپ ﷺ کی طرف سے بھی قربانی کیا کروں لہٰذا میں آپ ﷺ کی طرف سے بھی ایک قربانی کرتا ہوں''۔(153)

اس روایت سے استدلال درست تب ہوتا جب یہ صحیح ہوتی جبکہ اسے خود امام ترمذی، حافظ ابن حجر امام ذہبی(154)، امام منذری، امام ابن حبان، علامہ عبدالرحمٰن مبارکپوری، علامہ احمد عبدالرحمٰن البنا اور علامہ عبیداللہ رحمانی نے اسے ضعیف قرار دیا ہے۔(155) امام ترمذیؒ نے اس کے ضعیف ہونے کی طرف اشارہ کرنے کے بعد لکھا ہے کہ بعض جواز کے اور بعض عدم جواز کے قائل ہیں۔

امام ابن المبارکؒ فرماتے ہیں کہ مجھے زیادہ محبوب یہ ہے کہ فوت شدگان کی طرف سے قربانی نہ دی جائے بلکہ ان کی طرف سے صدقہ کیا جائے اور اگر قربانی دی جائے تو پھر اس کا گوشت خود نہ کھایا جائے بلکہ سارے کا سارا ہی تقسیم کر دیا جائے۔

علامہ عبدالرحمٰن مبارکپوری نے لکھا ہے مجھے کوئی ایسی مرفوع اور صحیح حدیث نہیں ملی جو فوت شدگان کی طرف سے قربانی کے جواز پر دلالت کرتی ہو۔ حضرت علیؓ والی حدیث ضعیف ہے اور اگر کوئی شخص کسی فوت شدہ کی طرف سے قربانی کرے تو احتیاط اسی میں

(153) ابوداؤد 2790، ترمذی 1495، حاکم 4/229، بیہقی 9/288

(154) بحوالہ تحقیق المشکوٰۃ للالبانی 1/460

(155) بحوالہ الفتح الربانی 13/109، المرعاۃ 3/259

ہے کہ ایسی قربانی کا سارا گوشت تقسیم کردے البتہ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ فوت شدگان کی طرف سے قربانی کے جواز کے قائل ہیں(156)۔

یہاں یہ بات بھی پیش نظر رہے کہ جو شخص اپنے کسی فوت شدہ عزیز کی طرف سے قربانی دے اسے دو جانور خریدنے چاہئیں کیونکہ ایسی قربانی کے جواز پر جن احادیث سے استدلال کیا جاتا ہے ان کے مخصوص اور ضعیف ہونے سے قطع نظر، ان میں دو ہی جانوروں کا ذکر ہے۔ نبی ﷺ نے ایک جانور اپنی اور اپنے گھر والوں کی طرف سے ذبح کیا اور دوسرا اپنی امت کے افراد کی طرف سے، حضرت علیؓ نے ایک اپنی طرف سے اور اپنے گھر والوں کی طرف سے اور دوسرا نبی ﷺ کی طرف سے۔

بعض لوگ صرف ایک ہی دنبہ یا چھترا خریدتے ہیں اور اسے اپنے فوت شدہ والدین یا دیگر اقربا کی طرف سے قربانی کر دیتے ہیں جبکہ یہ انداز صحیح نہیں کیونکہ اس طرح مذکورہ احادیث کی رو سے اس فوت شدہ کی طرف سے تو قربانی ہوگئی مگر خود وہ شخص اور اس کے گھر والے قربانی جیسی سنت مؤکدہ اور احناف کے نزدیک واجب کے تارک ہوگئے۔

لہٰذا اگر کسی فوت شدہ کی طرف سے قربانی کرنا ہو تو اس کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ ایک جانور اپنی اور اپنے گھر والوں کی طرف سے ذبح کرے اور دوسرا فوت شدہ کی طرف سے خاص ہو اور پھر فوت شدہ کی طرف سے کی گئی قربانی کا سارا گوشت تقسیم کر دینے میں ہی احتیاط ہے۔

قربانی کی اہمیت وفضیلت میں کوئی کلام نہیں اور اس کے سال میں صرف ایک ہی مرتبہ ہونے کی وجہ سے اہل علم نے یہاں تک کہا ہے کہ اگر کسی کے پاس اپنا ذاتی پیسہ نہ

(156) مجموع الفتاویٰ 26/306

بھی ہو البتہ اس کے کاروبار یا ملازمت سے اسے بعد میں پیسے مہیا ہو جانے کی غالب توقع ہو تو وہ قرض لے کر بھی قربانی کرسکتا ہے۔ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں کہ قرض لے کر قربانی کرنا ایک مستحسن فعل ہے اگرچہ یہ واجب وضروری نہیں۔(157)

(157) مجموع الفتاویٰ 26/305